الحجاز کراچی
امہات المومنین
مع
بنات اربعہ
قدم بہ قدم
عبداللہ فارانی

امہات المومنین قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

الحجاز

امہات المومنین قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

الحجاز

طبع اول:
صفر/فروری
1431ھ/2010ء

حسان پرنٹنگ پریس 0092-21-36676425

ملنے کے پتے

1- ادارہ اشاعت الخیر حضوری باغ روڈ، ملتان، 0300-7301239
2- قرآن محل، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی، 0321-5123698
3- ممتاز کتب خانہ، پشاور، 0314-9696344,091-2580331
4- قاسمی نیوز، بھاولپور، 0333-6367755,0622731947
5- منورالدین، رضوان بادشاہ سینٹر، گلی نمبر 6، چنیوٹ بازار، فیصل آباد 0301-7141149
6- مکتبہ نقوش اسلامی مچھلی منڈی اردو بازار لاہور۔ 0321-4538727
7- فیصل آباد، 0321-7693142
8- السعید ہومیو اینڈ ہربل، پی سا ہیوال، 0321-6950003

اسٹاکسٹ: مكتبة الخليج

دکان نمبر 11، سلام کتب مارکیٹ، بالمقابل جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن۔

ناشر: الحجاز کراچی ...... رابطہ نمبر: 0314-2139797

فہرست

عنوان	صفحہ

بناتِ اربعہ

عرض ناشر

بحمد للہ کتاب ''اُمہات المؤمنین قدم بہ قدم'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔عبداللہ فارانی نے ایسے قدم بڑھائے کہ ماشاءاللہ بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ''عمر ثانی قدم بہ قدم'' کے بعد الحجاز پبلشرز کے لیے ان کی یہ دوسری کتاب ہے جو اَب ایک منفرد موضوع پر مشتمل ہے جس میں ازواجِ مطہرات کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملات اور علم و ہنر اور دین کی پاسداری اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم و بندگی خدا کی تعلیمات کا نقشہ آسان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ جس پر عمل کر کے ازدواجی زندگی کی اسلامی راہیں متعین کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور اپنی اپنی کوتاہیاں عیاں ہوتی جاتی ہیں۔

اُمہات المومنین کے ساتھ آخر میں ''بناتِ اربعہ'' کے تذکرہ نے اس کتاب کو مزید بابرکت بنا دیا ہے۔ امید ہے قارئین اور خاص طور پر قاریات اس نیت سے بھی پڑھیں کہ ان شاءاللہ ہم خود بھی اپنی زندگیوں کو سنت کے سانچے میں ڈھالیں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس جانب راغب کریں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور روزِ قیامت اسے مؤلف، معاونین اور تمام پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیے نجات اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا باعث بنائے۔ آمین ثم آمین۔

ڈائریکٹر الحجاز پبلشرز

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

ایک روز ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے کہا:

''بھتیجے! میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میرے حالات بہت سخت ہیں۔ بہت تنگی میں دن گزر رہے ہیں۔ یہاں ایک مال دار خاتون ہیں۔ وہ اپنا تجارت کا سامان شام وغیرہ کی طرف بھیجتی ہیں۔ یہ کام وہ تمہاری قوم کے یعنی قریش کے لوگوں سے لیتی ہیں۔ اس طرح وہ لوگ اس کے مال سے تجارت کرتے ہیں۔ خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں اور اس خاتون کو بھی نفع حاصل ہو جاتا ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ۔ اس بات کا امکان ہے کہ وہ تمہیں اپنا مالِ تجارت دے دیں۔ وہ تمہیں جانتی ہیں۔ تمہاری صداقت اور پاکیزگی کے بارے میں انھیں علم ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے مشورے پر عمل کیا۔ اس خاتون کی طرف چل پڑے۔ ابو طالب نے اپنی باندی نبعہ کو ان کے پیچھے بھیج دیا۔ وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ وہاں کیا ہوتا ہے۔ وہ خاتون آپ سے کیسے پیش آتی ہیں۔

یہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ آپ سے خندہ پیشانی سے ملیں۔ آپ کو عزت سے بٹھایا۔ دراصل آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھیں۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلّم کے بارے میں جو باتیں وہاں کے معاشرے میں پھیل چکی تھیں وہ بھی ان تک پہنچی تھیں۔اس لیے اس ملاقات سے پہلے ہی آپ سے بہت متاثر ہو چکی تھیں۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی آمد کا مقصد بیان فرمایا۔اس پر حضرت خدیجہ نے فرمایا:

''میں آپ کی سچائی، امانت داری اور حسنِ اخلاق سے واقف ہوں۔میں آپ کو دوسروں کی نسبت دو گنا مال دوں گی۔''

یہ سن کر آپ نے اطمینان محسوس کیا، ان کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے ابو طالب کے پاس آئے۔انھیں بتایا:

''انھوں نے اپنا مالِ تجارت مجھے دینے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔''

ابو طالب یہ سن کر خوش ہوئے اور بولے:

''یہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔''

بعض روایات میں ہے کہ ابو طالب کی بہن عاتکہ بنتِ عبد المطلب یعنی آپ کی پھوپھی نے بھی اس سلسلے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی تھی۔حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارادے کے بارے میں جب انھوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس پیشے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس سے پہلے ہی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دیکھ چکی تھیں۔اس طرح آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پاکیزہ عادات سے لاعلم نہیں تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق خاندانِ قریش ہی سے تھا۔آپ کے والد کا نام خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ تھا۔یہ عبد مناف کے بھائی تھے اور عبد مناف حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے

داداؤں میں سے تھے۔عبدالعزیٰ اور عبدمناف کے والد قصی بن کلاب تھے۔ اس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب چوتھی پشت میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جاملتا ہے۔

آپ کے والد خویلد زمانہ جاہلیت میں عربوں کے سپہ سالاروں میں سے تھے۔ فجار کی لڑائی میں اپنے قبیلے کی قیادت کی تھی۔ جب تبع حجرِ اسود کو اکھیڑ کر یمن لے گیا تو اس کے واپس لانے میں بھی خویلد کی کوششوں کا دخل تھا۔

خویلد کی اولاد بہت تھی۔ان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنتِ زائدہ بن الاصم بن عاصم بن لوی ہے اور نانی کا نام ہالہ بنتِ عبدمناف ہے۔

آپ کے والد خویلد بہت باعزت آدمی تھے۔قریش میں انھیں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مکہ میں رہتے تھے۔ فاطمہ بنتِ زائدہ سے شادی ہوئی اور ان سے ہاتھیوں والے سال (ابرہہ کے حملے کا سال) سے 15 سال پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں جن کے مقدر میں پہلی ام المومنین ہونا لکھا جاچکا تھا۔

آپ نے کھاتے پیتے گھرانے میں پرورش پائی۔تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بچپن کے حالات نہیں ملتے۔ اتنا ضرور ملتا ہے کہ آپ بہت خداترس تھیں۔غریبوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔ضرورت مندوں کی مدد کرتی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک خاص مقام کے لیے چن لیا تھا۔

آپ کے ایک چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل تھے۔ یہ تورات اور انجیل کے بہت بڑے عالم تھے۔ مذہب کے اعتبار سے عیسائی تھے۔حضرت خدیجہ کے والد ان سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتے تھے۔لیکن کسی وجہ سے یہ نکاح نہ ہوسکا اور آپ کی شادی عتیق بن عابد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے ہوگئی۔بعض روایات کی رو سے پہلی شادی ابو ہالہ بن بناش

تمیمی سے ہوئی۔

عتیق بن عابد سے آپ کے ہاں ایک بچہ عبداللہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد عتیق بن عابد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی بیوگی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ابو ہالہ بن بناش نے نکاح کا پیغام دیا۔ اس طرح آپ کی دوسری شادی ابو ہالہ سے ہوئی۔ ابو ہالہ سے آپ کے ہاں دو بیٹے ہند اور حارث اور ایک لڑکی زینب پیدا ہوئی۔

پھر فجار کی لڑائی میں آپ کے والد وفات پا گئے۔ ان کے بعد آپ کے دوسرے شوہر نے وفات پائی۔ باپ اور شوہر کی وفات کی وجہ سے آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بچوں کی دیکھ بھال اب انھی کے ذمے تھی۔ قریش کے کئی نوجوانوں نے آپ کو شادی کا پیغام بھیجا، لیکن آپ نے بچوں کی وجہ سے انکار کر دیا۔ آپ نے سوچ لیا تھا کہ بچوں کی تربیت کریں گی اور شادی نہیں کریں گی۔

آپ کے خاندان کا پیشہ چونکہ تجارت تھا، اس لیے آپ نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا، لیکن چونکہ عورت تھیں، اس لیے اپنا مال دوسرے لوگوں کو دے دیتی تھیں۔ وہ دوسرے ملکوں میں مال لے جاتے، اس طرح نفعے میں سے انھیں اپنا حصہ مل جاتا تھا۔

بہت جلد آپ مکہ کی مشہور تاجر بن گئیں۔ ایک خاص بات یہ کہ دوسروں کی طرح آپ بتوں کو نہیں پوجتی تھیں۔ بعض قریبی لوگوں نے ان سے کہا بھی کہ آپ گھر میں ایک بت رکھ لیں۔ یہ سن کر آپ ہمیشہ مسکرا دیا کرتیں۔ آپ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان بتوں کی کیا حیثیت ہے۔ انھیں علم تھا کہ یہ پتھر کے بت نہ تو کسی کو کوئی نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں، نہ نقصان پہنچانے کی۔

انھوں نے کئی مرتبہ اپنے بھتیجے حکیم بن حزام کو بھی بتوں کے قریب جانے سے روکا۔ وہ ان سے فرمایا کرتی تھیں:

''اپنے مال کو غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کیا کرو، اس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔''

آپ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے آسمانی کتابیں تورات اور انجیل سنا کرتی تھیں۔ ان کتابوں کا سننا آپ کو بہت اچھا لگتا تھا۔ ورقہ بن نوفل انھیں بتایا کرتے تھے کہ اللہ کے ایک رسول آنے والے ہیں اور انھی میں آنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کو ہدایت کے لیے بھیجیں گے۔ ان کی قوم ان کی مخالفت پر ڈٹ جائے گی، لیکن آخر انھیں غلبہ حاصل ہوگا۔

حضرت خدیجہ یہ باتیں سنتیں تو خواہش کرتیں، کاش وہ اللہ کے رسول کا دیدار کر سکیں۔ ان کے دل میں یہ خواہش بھی سر ابھارتی تھی کہ انھیں اس رسولِ عربی کی پیروی نصیب ہو جائے اور یہ ان کی ہر ممکن مدد کریں۔

آخر تجارتی قافلے کی روانگی کے دن آ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے اپنا تجارتی مال آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے کر دیا۔ ساتھ ہی آپ نے اپنے غلام میسرہ کو آپ کے ساتھ روانہ کیا اور انھیں ہدایت دی۔

''خبردار! ان کی نافرمانی نہ کرنا اور نہ ان کی کسی رائے سے اختلاف کرنا۔''

اس سے معلوم ہوا، آپ نے میسرہ کو آپ کی نگرانی کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا، بلکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہر طرح خیال رکھنے اور خدمت گزاری کے لیے بھیجا تھا۔

وہ تجارتی قافلہ 16 ذی الحجہ کو روانہ ہوا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا آپ کو الوداع کہنے کے لیے آئے۔

اور پھر وہ قافلہ روانہ ہوا جس میں وہ ہستی تھی جو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے افضل اور اعلیٰ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس ہستی کی نگہبانی فرما رہے تھے۔ اس قافلے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے مال بردار اونٹوں کی تعداد باقی تمام لوگوں کے اونٹوں کی

مجموعی تعداد سے زیادہ تھی۔

آخر یہ قافلہ شام کے شہر بُصریٰ میں پہنچ گیا۔ قافلے نے ایک گرجے کے قریب پڑاوٗ ڈالا۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ہی ایک تجارتی سفر کیا تھا۔ اس سفر میں بھی آپ اسی گرجے کے قریب اترے تھے۔ اُس وقت یہاں آپ کی ملاقات ایک پادری سے ہوئی تھی۔ اُس راہب کا نام بحیرہ تھا۔ لیکن اب جب آپ یہاں اترے تھے تو اس گرجے کا پادری نسطورا تھا اور دونوں سفروں کی درمیانی مدت 13 سال تھی۔ پہلے سفر میں آپ کی عمر بارہ سال تھی اور اب آپ 25 سال کے ہو چکے تھے۔

نسطورا کی نظر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر پڑی تو وہ تیزی سے آپ کی طرف بڑھا۔ قافلے کے لوگوں نے اسے تیزی سے آپ کی طرف بڑھتے دیکھا تو انھیں خیال ہوا کہ یہ کسی بری نیت سے آ رہا ہے، لہٰذا ان میں سے ایک نے فوراً تلوار سونت لی اور چلا اٹھا:

''اے قریش! اے قریش۔''

پھر تو چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ یہ دیکھ کر وہ ڈر گیا اور دوڑ کر گرجے میں داخل ہو گیا۔ گرجے کا دروازہ بند کر کے اس نے ایک کھڑکی کھولی اور پکارا:

''اے لوگو! تم کس بات سے ڈر گئے، یہ دیکھو! میرے پاس ایک تحریر ہے، قسم اس ذات کی جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے اٹھا دیا، میں اس تحریر میں لکھا ہوا پاتا ہوں کہ اس درخت کے نیچے اترنے والا شخص رب العالمین کا پیغمبر یعنی اللہ کا رسول ہوگا جسے اللہ تعالیٰ ننگی تلوار اور زبردست امداد کے ساتھ ظاہر فرمائیں گے۔ یہ خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ اب جو شخص ان کی اطاعت اور فرماں برداری کرے گا، وہ نجات پائے گا اور جو ان کی نافرمانی کرے گا، وہ ذلیل و خوار ہوگا۔''

دوسری روایات میں یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ وہ گرجا سے باہر آیا اور قافلے کے لوگوں سے بولا:

''یہ کون صاحب ہیں جو اس درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں۔''

جواب میں میسرہ نے کہا:

''یہ مکہ کے ایک قریشی جوان ہیں۔''

اب راہب نے آپ کو اور قریب جا کر دیکھا۔ پھر آپ کے سر اور قدموں کو بوسہ دینے کے بعد بولا:

''میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تورات میں کیا ہے۔''

پھر اس نے مہرِ نبوت کو دیکھا اور چوما، پھر بولا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، نبی امی ہیں، جن کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔'' (سیرت حلبیہ)

آپ اس وقت جس درخت کے نیچے آرام فرما تھے، اس کے بارے میں نسطورا نے یہ کہا:

''اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں اترا۔''

غرض اس واقعے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے لوگوں کے ساتھ بازار بصریٰ تشریف لائے اور سامانِ تجارت فروخت کیا، کچھ مال خریدا، ایسے میں ایک شخص آپ سے جھگڑ پڑا۔ اس نے کہا:

''لات وعزیٰ کی قسم کھاؤ۔''

اس کی بات کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے ان تینوں کے نام پر کبھی حلف نہیں اٹھایا۔''

وہ شخص بھی غالباً کوئی عالم تھا۔ اس نے آپ کی طرف غور سے دیکھا اور پہچان کر بولا:

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

اس کے بعد یہ شخص میسرہ سے ملا۔ اسے قدرے فاصلے پر لے گیا اور کہنے لگا:

''قسم ہے اس ذات کی، یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہمارے راہب اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔''

میسرہ نے اس کی بات غور سے سنی اور اسے اپنے دماغ میں محفوظ کرلیا۔ بصریٰ پہنچنے سے پہلے ایک واقعہ اور پیش آیا تھا۔ قافلے کے دو اونٹ بہت زیادہ تھک گئے تھے اور چلنے کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔ ان اونٹوں کی وجہ سے میسرہ بھی قافلے سے پیچھے رہ گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے اگلے حصے میں تھے۔ میسرہ نے اونٹوں کے بارے میں پریشانی محسوس کی۔ ساتھ ہی اسے یہ فکر ہوئی کہ وہ خود بھی قافلے سے پیچھے رہ گیا ہے، چنانچہ وہ دوڑتا ہوا قافلے تک پہنچا اور اگلے حصے میں موجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اپنی پریشانی کے بارے میں آپ کو بتایا۔ آپ اس کے ساتھ ان دونوں اونٹوں کے پاس تشریف لائے۔ ان کی کمروں پر اپنا ہاتھ پھیرا، کچھ پڑھ کر ان پر دم کیا۔ اس کا فوری طور پر اثر ہوا۔ اونٹ فوراً کھڑے ہوگئے اور پھر اس قدر تیز چلے کہ قافلے کے اگلے حصے میں پہنچ گئے اور اپنی چستی اور تیز چلنے کا اظہار منہ سے آواز نکال کر کرنے لگے۔

پھر تجارت کا کام شروع ہوا۔ قافلے کا مال فروخت کیا گیا اور کچھ مال خریدا بھی گیا۔ اس خرید وفروخت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا منافع کمایا کہ پہلے کبھی اتنا نفع نہیں کما سکے تھے، چنانچہ میسرہ نے آپ سے کہا:

''اے محمد! ہم برسوں سے خدیجہ رضی اللہ عنھا کے لیے تجارت کر رہے ہیں، لیکن

اتنا زبردست نفع ہمیں کبھی حاصل نہیں ہوا۔''

آخر تجارت سے فارغ ہو کر قافلہ واپس روانہ ہوا۔ راستے میں میسرہ نے ایک بات یہ نوٹ کی کہ جب دوپہر کا وقت ہوتا تھا اور گرمی زوروں پر ہوتی تھی اور آنحضرت اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تھے تو آپ پر ایک بدلی سایہ کیے رہتی تھی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے میسرہ کے دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت محبت پیدا کر دی۔ اس سفر میں اس نے قدم بہ قدم پر آپ کی نیکی، شرافت سچائی اور دیانت داری کا نظارہ کیا اور پھر تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے میسرہ خود آپ کا غلام ہو۔

آخر قافلہ مرظہران کے مقام پر پہنچا۔ یہ مکہ اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے۔ اب اس وادی کا نام وادیٔ فاطمہ ہے۔ یہاں پہنچ کر میسرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہم سے پہلے پہنچ جائیں اور انھیں تمام حالات بتائیں کہ اس مرتبہ تجارت میں کس قدر زیادہ نفع ہوا ہے، ممکن ہے وہ یہ بات سن کر آپ کے معاوضے میں اضافہ کر دیں اور دو جوان اونٹنیوں کے بجائے آپ کو تین اونٹنیاں دیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میسرہ کے اس مشورے کو قبول کر لیا۔ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مرظہران سے آگے روانہ ہو گئے۔ آپ دوپہر کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے مکان کے اوپر والے حصے میں بیٹھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دور سے دیکھ لیا۔ آپ اونٹ پر سوار تھے اور ایک بدلی آپ پر سایہ کیے ہوئے تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود تو یہ منظر دیکھا ہی، اپنے پاس بیٹھی دوسری عورتوں کو بھی

دکھایا۔ وہ سب بھی یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔

آخر آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے۔ انھیں تجارت میں منافعے وغیرہ کے بارے میں بتایا۔ یہ نفع اس نفعے سے دوگنا تھا جو پہلے آپ کو حاصل ہو رہا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس منافعے کا حال جان کر بہت خوش ہوئیں۔ پھر انھوں نے پوچھا:

''اور میسرہ کہاں ہے؟''

آپ نے بتایا:

''میں نے انھیں جنگل میں پیچھے چھوڑا ہے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''اس کے پاس جایئے، تاکہ وہ جلد از جلد یہاں پہنچ جائے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو واپس اس لیے بھیجا کہ وہ دیکھنا چاہتی تھیں، تھوڑی دیر پہلے جو بدلی آپ پر سایہ کیے ہوئے تھی، کیا اب بھی وہ بدلی آپ پر سایہ کرتی ہے یا وہ صرف ایک اتفاق تھا۔ آپ واپس روانہ ہوئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چھت پر چڑھ گئیں اور آپ کو دیکھنے لگیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ بدلی اب بھی آپ پر سایہ کیے ہوئے تھی اور اسی شان سے چلے جا رہے تھے جس شان سے تشریف لائے تھے۔

کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم میسرہ کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ سے وہ کیفیت بیان کی جو آپ نے دیکھی تھی۔ میسرہ فوراً بول پڑا:

''میں یہ منظر اس وقت سے دیکھتا آ رہا ہوں جب ہم شام سے روانہ ہوئے تھے:

اس کے بعد میسرہ نے نسطورا راہب سے ملاقات کے بارے میں بتایا اور جس شخص سے خرید و فروخت کے وقت جھگڑا ہوا تھا، اس نے جو بتایا تھا، وہ ساری بات بھی بتائی۔ دو اونٹ جو پیچھے رہ گئے تھے، ان کا واقعہ بھی سنایا۔ یہ تمام واقعات سننے کے بعد حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا نے طے شدہ اجرت سے دوگنا اجرت آپ کو دی۔ جب کہ پہلی اجرت بھی دوسرے لوگوں کی نسبت دوگنی تھی۔

اس اجرت کے بارے میں علامہ حلبی نے لکھا ہے:

''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے چار جوان اونٹنیاں اجرت کے طور پر طے کی تھیں۔ جب کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دو جوان اونٹنیوں کی بات کی تھی۔''

پھر واپسی پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم وہاں سے کپڑا خرید کر لائے تھے۔ اس میں بھی بہت نفع حاصل ہوا۔

ان تمام واقعات نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حد درجے متاثر کر دیا۔ آپ کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بہت لگاؤ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی ایک عزیز نفیسہ بنتِ منیہ کو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں خفیہ طور پر بھیجا۔ اس نے آپ کے پاس آ کر کہا:

''اے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔''

جواب میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''بھلا میرے پاس کیا ہے کہ شادی کر سکوں۔''

اس پر نفیسہ نے کہا:

''اور اگر آپ کو اس کی ضرورت ہی نہ پڑے، بلکہ آپ کو مال، دولت، عزت، حسن و جمال، عزت اور سب کچھ مل جائے تو کیا آپ قبول کر لیں گے۔''

نفیسہ کی بات کا مطلب یہ تھا کہ اگر ایسی کوئی خاتون جس میں شرافت، پاکبازی وغیرہ تمام خوبیاں موجود ہوں اور مال و دولت بھی جس کے پاس ہو اور وہ خود ہی آپ کو نکاح

کی دعوت دے تو کیا آپ مان لیں گے۔''

آپ نے یہ سن کر پوچھا:

''اور وہ کون خاتون ہیں۔''

اس نے کہا:

''وہ خدیجہ بنتِ خویلد ہیں۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا:

''ان تک میری رسائی کیسے ہوگی۔''

یہ کہنے سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور وہ بہت مال دار ہیں۔اس پر نفیسہ نے کہا:

''اس کا ذمہ میں لیتی ہوں۔''

آپ نے رضا مندی کا ظاہر کر دی۔اس طرح شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔مقررہ تاریخ پر قبیلے کے رئیس، مکہ معظّمہ کے شرفاء اور امراء جمع ہوئے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد وکیل تھے۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے آپ کے چچا ابو طالب وکیل تھے اس طرح آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی انجام پائی۔یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پہلی شادی مبارک تھی۔اس وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر مبارک پچیس سال اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔

نکاح کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ولیمے کی دعوت دی۔آپ نے دو اونٹ ذبح فرمائے۔اس روز ابو طالب بھی بہت خوش تھے۔انھوں نے اس موقعے پر کہا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مصیبتوں اور غموں کو ہم سے دور کر دیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قریش کے بہت سے لوگ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو شادی کا پیغام دے چکے تھے، لیکن آپ ہر مرتبہ انکار کرتی رہی تھی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا رشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھ دیا تھا۔

شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ساری دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ آپ کو اس کا مالک بنا دیا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دن رات لگی رہنے لگیں۔

اب جوں جوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 40 سال کے قریب پہنچ رہی تھی، اعلان نبوت کا وقت قریب آ رہا تھا۔ آپ کا وقت زیادہ تر تنہائی میں بسر ہونے لگا تھا۔ پھر آپ غارِ حرا میں جانے لگے۔ تنہائی میں آپ کو ایک آواز سنائی دیتی:

''اے محمد! اے محمد۔''

اور کبھی ایک نور نظر آتا۔ یہ نور آپ کو جاگنے کی حالت میں نظر آتا۔ آپ خوف سا بھی محسوس کرتے اور فرماتے:

''مجھے ڈر ہے کہ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر کوئی بات نہ پیش آ جائے۔''

آپ کی اس بات کے جواب میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ سے فرماتیں:

''ہرگز نہیں! اے میرے چچا کے بیٹے! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرے گا، کیونکہ خدا کی قسم! آپ امانت ادا کرنے والے ہیں، رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں اور ہمیشہ سچ کہنے والے ہیں۔''

ان دنوں آپ کو تنہائی بہت محبوب ہو گئی تھی۔ تنہائی کے لیے ہی آپ غارِ حرا میں چلے جاتے تھے۔ جب کھانے کی چیز ختم ہو جاتی تو آپ واپس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ جاتے۔ کھانا لے لیتے اور پھر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ غارِ حرا سے واپس

آتے تو آپ خانہ کعبہ میں بھی تشریف لے جاتے، طواف کرتے، پھر گھر تشریف لے جاتے۔

آخر وہ رات آ گئی جب آپ کو نبوت اور رسالت ملنے والی تھی۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:

''میں سو رہا تھا۔ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام ایک ریشمی کپڑا لیے ہوئے آئے۔ اس میں ایک کتاب تھی، یعنی ایک تحریر تھی۔ انھوں نے مجھ سے کہا:

''اقراء۔'' یعنی پڑھیے۔

میں نے کہا:

''میں نہیں پڑھ سکتا۔'' یعنی میں ان پڑھ ہوں۔ پڑھ لکھ نہیں سکتا۔

اس پر انھوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر اس ریشمی کپڑے سمیت اس طرح بھینچا کہ وہ کپڑا میرے ناک اور منہ سے چھو رہا تھا۔ انھوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے خیال آیا کہ کہیں میری موت نہ واقع ہو جائے۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا:

''پڑھیے!'' یعنی اس لکھے ہوئے کے بجائے، ویسے ہی پڑھوں۔ یعنی جو میں کہوں، وہ کہیے۔

اس پر میں نے کہا:

''میں کیا پڑھوں اور کیا کہوں۔''

اب انھوں نے کہا:

''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ'' (سورہ علق)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ پر جو قرآن (نازل ہوا کرے گا) اپنے اس رب کا نام لے کر پڑھا کیجیے (یعنی جب پڑھیے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجیے) جس نے مخلوقات

کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ قرآن پڑھا کیجیے، آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے اور ایسا ہے) جس نے (پڑھے لکھوں کو) قلم سے تعلیم دی (اور) انسان کو (عموماً دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں نے ان آیات کو اسی طرح پڑھ دیا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام میرے پاس سے چلے گئے۔ اس کے بعد لگتا تھا، گویا میرے دل میں ایک تحریر لکھ دی گئی ہے۔ میں غار سے نکل کر ایک طرف چلا۔ جب میں پہاڑ کے ایک جانب پہنچا، تو میں نے آسمان سے آنے والی ایک آواز سنی۔ وہ آواز کہہ رہی تھی:

''اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔''

میں وہیں رک کر آواز کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک میں نے جبرائیل علیہ السلام کو انسانی شکل میں دیکھا، وہ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے:

''اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔''

میں وہیں رک کر آواز کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے ان پر سے نظر ہٹا کر آسمان کی طرف دیکھا مگر سامنے جبرائیل ہی نظر آئے۔ میں اسی حالت میں دیر تک کھڑا رہا۔ ادھر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میرے لیے کھانا تیار کیا تھا اور کھانا غار میں بھجوایا، لیکن میں غار میں نہیں تھا۔ جب یہ خبر خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ملی تو انھوں نے میری تلاش میں چچاؤں اور ماموں کے گھر آدمی بھیجے مگر میں کسی کے ہاں بھی نہیں ملا۔ اس پر وہ پریشان ہو گئیں۔ ابھی اسی پریشانی میں تھیں کہ اچانک میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے انھیں سارا واقعہ سنایا۔ انھیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں بتایا۔ جو آواز سنی تھی، اس کے بارے میں بھی بتایا۔

ساری بات سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اے میرے چچا کے بیٹے! آپ کو خوش خبری ہو، آپ یقین کیجیے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے امید ہے، آپ اس امت کے نبی ہیں۔''

اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ وہ عیسائی عالم تھے۔ انھیں سارا واقعہ سنایا، ورقہ بن نوفل یہ سارا واقعہ سن کر پکار اٹھے:

''اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے پاس وہی ناموسِ اکبر یعنی جبرائیل علیہ السلام آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے۔ اس لیے میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اس امت کے نبی ہیں۔''

ورقہ بن نوفل کو جبرائیل علیہ السلام کا نام سن کر اس لیے تعجب ہوا کہ مکہ اور عرب کے دوسرے شہروں میں لوگوں نے یہ نام سنا بھی نہیں تھا۔ غرض اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس واپس آ گئیں اور ورقہ بن نوفل نے جو کچھ کہا تھا، وہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بتایا۔

انھی دنوں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے آئے۔ طواف کے دوران آپ کی ملاقات ورقہ بن نوفل سے ہو گئی۔ وہ بھی اس وقت طواف کر رہے تھے۔ انھوں نے خود آپ کے منہ سے وہ واقعہ سننے کی خواہش کی۔ آپ نے انھیں بتایا کہ کس طرح جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس آئے۔

سارا واقعہ سن کر ورقہ بن نوفل نے اپنا منہ جھکایا اور آپ کے سر کے درمیان بوسہ دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے گھر لوٹ آئے۔

پہلی وحی کے بارے میں یہ تفصیل بھی علماء نے لکھی ہے کہ آپ پر اس وقت

گھبراہٹ طاری ہوئی تھی۔ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو فرمایا:

''مجھے کمبل اوڑھادو۔ مجھے کمبل اوڑھادو۔''

چنانچہ انھوں نے فوراً آپ پر کمبل ڈال دیا۔ یہاں تک کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی گھبراہٹ دور ہوگئی۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''مجھے اپنی جان کا خوف پیدا ہوگیا ہے۔''

اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''ہرگز نہیں! آپ کو خوش خبری ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ہرگز رسوا نہیں کرے گا، کیونکہ آپ رشتے داروں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ سچی بات کہتے ہیں۔ دوسروں کے لیے مصیبت اور پریشانیاں اٹھاتے ہیں، بے کس مفلسوں کی امداد کرتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازیاں کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس معاملے میں آپ کے لیے خیر ہی خیر ہے۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نبوت ملنے کے بعد آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔

عفیف کندی ایک تاجر تھے۔ وہ مکہ میں تجارت کی غرض سے آتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی ملاقات تجارت کے سلسلے میں ابن عبدالمطلب سے ہوئی۔ وہ یمن سے عطر لا کر فروخت کیا کرتے تھے اور حج کے موسم میں مکہ میں فروخت کرتے تھے۔ عفیف کندی بیت اللہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ایک نوجوان قریب کے خیمے سے نکلا، اس نے سورج کی طرف دیکھا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ سورج مغرب میں جھک گیا ہے، یعنی غروب ہوگیا ہے تو اس نے بہت اچھی طرح وضو کیا اور پھر نماز پڑھنے لگا۔ پھر ایک لڑکا خیمے سے نکلا۔ وہ بالغ ہونے کے قریب تھا۔ اس نے بھی وضو کیا اور نوجوان

کے برابر کھڑے ہو کر وہ بھی نماز پڑھنے لگا۔ پھر اس خیمے میں سے ایک عورت نکلی۔ وہ بھی ان دونوں کے پیچھے نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے بعد اس نوجوان نے رکوع کیا تو وہ لڑکا اور عورت بھی رکوع میں چلے گئے۔ پھر نوجوان نے سجدہ کیا تو وہ لڑکا اور عورت بھی سجدے میں چلے گئے۔ عفیف کندی حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے حضرت عباس سے پوچھا:

''یہ کیا ہو رہا ہے۔''

انھوں نے بتایا:

''یہ میرے بھائی عبداللہ کے بیٹے محمد ہیں۔ یہ ان کا دین ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ لڑکا میرا بھتیجا علی ابن ابی طالب ہے اور یہ عورت محمد کی بیوی خدیجہ ہیں۔''

عفیف کندی کہتے ہیں:

''کاش اس وقت چوتھا مسلمان میں ہوتا۔''

یہ عفیف کندی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس موقع پر شاید زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور آپ اس زمانے میں آپ کے ساتھ یہ بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ یا پھر حضرت زید اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے نماز پڑھی، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد جو خواتین سب سے پہلے مسلمان ہوئیں، ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی اِمِ فضل رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

صاحب زادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن ام جمیل رضی اللہ عنہا، ان کا نام فاطمہ بنتِ خطاب تھا۔ یہ بھی روایت ملتی ہے کہ امِ ایمن رضی اللہ عنہا امِ فضل سے بھی پہلے مسلمان ہوئی تھیں۔

مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ورقہ بن نوفل تھے۔ یہ بات اس بنیاد پر کہی گئی ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں تو ورقہ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے فرمایا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے ناموس پر ہیں یعنی جو پیغام وہ لے کر آئے تھے۔ وہی پیغام آپ بھی لائے ہیں اور یہ کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں۔

بہرحال تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے مسلمان ہوئی تھیں۔ ان سے پہلے نہ کوئی مرد مسلمان ہوا، نہ کوئی عورت۔ باقی رہ گئے ورقہ بن نوفل اور ان جیسے دوسرے چند افراد۔ یہ حضرات آسمانی کتب کو ان کے منسوخ ہونے سے پہلے اختیار کیے ہوئے تھے اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلّی علیہ وسلّم کی نبوت کی تصدیق کی تھی کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کا دنیا کو انتظار ہے اور ان کا اتنا ایمان آخرت میں مفید ہے۔

مطلب یہ کہ جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پیغمبری ملی تو سب سے پہلے آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اسلام کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف ان کی راہنمائی فرمائی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بغیر کسی جھجک کے اسلام قبول کرلیا اور سبقت لے گئیں۔ تمام پہل کرنے والوں میں پہل کر گئیں۔

اس سلسلے میں ایک عالم لکھتے ہیں:

''آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا اور اس چشمے پر لے گئے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پاؤں مبارک کی برکت سے غارِ حرا کے پاس نمودار ہو گیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس چشمے پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو وضو کا طریقہ بتایا۔ یہ طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں نماز پڑھنا سکھایا۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا:

''اے خدیجہ یہ جبرائیل ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں سلام دینے کے لیے آئے ہیں۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر سلام کا جواب دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لے آئیں تو اسی روز حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھر آئے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تربیت آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذمے تھی۔ وہ آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھتے دیکھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حیران ہوئے اور بولے:

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''یہ اللہ کا دین ہے۔ میں تمہیں بھی اس کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی گواہی دو۔ وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں تمہیں لات اور عزیٰ (بتوں) کو چھوڑ دینے کی دعوت دیتا ہوں۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے:

''میں نے اس دین کے بارے میں کسی سے نہیں سنا۔ میں اپنے والد کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا، اگر اجازت ہو تو ان سے مشورہ کرلوں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''اگر تمہارا ایمان لانے کا ارادہ نہ بنے تو کسی دوسرے کو اس بارے میں نہ بتانا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''جی اچھا۔''

پھر اسی رات اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل کھول دیا۔ صبح ہوئی تو آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو نبوت ملنے سے بھی پہلے آپ پر ایمان لا چکے تھے، کیونکہ یمن میں ایک بوڑھے عالم سے ان کی جو بات چیت ہوئی تھی، اس سے وہ جان چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں... وہی رسول جن کا دنیا کو انتظار ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب یمن میں اس بوڑھے عالم کے پاس رکے تھے تو اس نے کہا تھا:

''میرا خیال ہے، تم حرم کے رہنے والے ہو۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا تھا:

''ہاں! میں حرم کا رہنے والا ہوں۔''

اس پر اس نے کہا تھا:

''اور میرا خیال ہے، تم قریشی ہو۔''

آپ نے جواب دیا تھا:

''ہاں! میں قریشی ہوں۔''

پھر اس نے کہا تھا:

''میرا خیال ہے، تم خاندان تیمی کے ہو۔''

آپ نے جواب دیا تھا:

''ہاں! میں خاندان تیمی سے ہوں۔''

پھر اس نے کہا تھا:

''اب آپ سے ایک سوال اور پوچھنا چاہتا ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اور وہ سوال کیا ہے۔''

اس نے کہا تھا:

''اپنا پیٹ کھول کر دکھا دو۔''

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''یہ میں اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک کہ تم اس کی وجہ نہیں بتا دو گے۔''

اس وقت اس نے کہا تھا:

''میں اپنے سچے اور مضبوط علم کی بنیاد پر خبر پاتا ہوں کہ حرم کے علاقے میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس کی مدد کرنے والا ایک نوجوان اور پختہ عمر کا آدمی ہوگا۔ وہ مشکلات میں کود جانے والا اور پریشانیوں کو روکنے والا ہوگا، اس کا رنگ سفید اور جسم کمزور ہوگا۔ اس کے پیٹ پر ایک بال دار نشان ہوگا اور اس کی بائیں ران پر بھی ایک علامت ہوگی۔''

یہ کہنے کے بعد اس نے کہا:

''اب یہ بھی ضروری نہیں کہ تم مجھے اپنا پیٹ کھول کر دکھاؤ، کیونکہ تم میں باقی تمام

علامات موجود ہیں۔''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

جب میں یمن میں اپنی خرید و فروخت کا کام پورا کر چکا تو اس سے رخصت ہونے کے لیے اس کے پاس آیا۔ تب اس نے کہا:

''میری طرف سے چند شعر سن لو، یہ شعر میں نے اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہے ہیں۔''

میں نے کہا:

''سناؤ۔''

اس نے وہ شعر سنائے۔ پھر میں مکہ مکرمہ واپس پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا اعلان کر چکے تھے۔ فوراً ہی میرے پاس قریش کے بڑے بڑے سردار عقبہ بن ابو معیط، شیبہ، ربیعہ، ابوجہل اور ابوالبختری وغیرہ آئے اور کہنے لگے:

''اے ابو بکر! ابو طالب کے یتیم بھتیجے نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی ہے، اگر آپ کا انتظار نہ ہوتا تو ہم اس معاملے میں صبر نہ کرتے، اب آپ آگئے ہیں، اس لیے اس سے نبٹنا آپ ہی کا کام ہے۔''

یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قریبی دوست تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں نے انہیں اچھے انداز میں ٹال دیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچ گیا۔ دروازے پر دستک دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

''اے ابو بکر میں تمہاری اور تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا

ہوں۔اس لیے تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔''

''میں نے عرض کیا:

''کیا آپ کے پاس اس کا ثبوت ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''اس بوڑھے عالم کے وہ شعر جو اس نے تمہیں سنائے تھے۔''

میں نے حیران ہو کر عرض کیا:

''میرے دوست! آپ کو ان اشعار کے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''مجھے اس عظیم فرشتے کے ذریعے پتا چلا جو مجھ سے پہلے بھی تمام نبیوں کے پاس آتا رہا ہے۔''

اب میں نے عرض کیا:

''اپنا ہاتھ لائیے! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میرے اسلام قبول کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بے تحاشہ خوشی ہوئی۔

سب لوگوں کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے کیا تھا۔

سب سے پہلے ایمان لانے والوں کی ترتیب اس طرح ہے۔

مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ایمان لائے۔عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لائیں اور غلاموں میں

سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے، وہ اس وقت تک بالغ نہیں ہوئے تھے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے آس پاس کے لوگوں کو اسلام کی دعوت شروع کی۔ اس سلسلے میں جو مشکلات تھیں، ان کے سامنے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ڈٹ گئیں... اپنا تن من اور دھن سب قربان کرنے پر تل گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو لعاص غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مشرکوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابو العاص سے ہو چکی تھی۔ دوسرے قیدیوں کی طرح ان سے بھی کہا گیا:

''آپ بھی فدیے کی رقم ادا کریں تاکہ آپ کو رہا کیا جا سکے۔''

انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ ان کی آزادی کے لیے فدیے کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام ملا تو آپ پریشان ہو گئیں... کیونکہ اس وقت آپ کے پاس کوئی رقم نہیں تھی۔ البتہ شادی کے موقعے پر انہیں جو جہیز ملا تھا، اس میں ایک ہار بھی تھا۔ انہوں نے وہی ہار بھیج دیا۔ وہ ہار دراصل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس ہار کو پہچان لیا۔ آپ کو حضرت خدیجہ یاد آ گئیں۔ آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کو روتے دیکھ کر صحابہ کرام بھی رونے لگے۔ انہوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ یہ ہار بیٹی کو واپس کر دیں، فدیے کی رقم ہم ادا کر دیتے ہیں۔''

اس واقعے سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کس قدر محبت تھی۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک مرتبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ ہمارے ہاں آئیں، انہوں نے اجازت طلب کرنے کے لیے آواز دی۔ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت ملتی تھی۔پھر کیا تھا، یہ آواز سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں۔آپ حیرت اور مسرت کے عالم میں پکار اٹھے:

''یا اللہ! یہ تو ہالہ لگتی ہیں۔''

اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''آپ قریش کی ایک بوڑھی عورت کو کیا ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں، انہیں تو فوت ہوئے بھی عرصہ ہو گیا...... اللہ پاک نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا فرما دی ہے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلال میں آ گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نادم ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھ سے غلطی ہو گئی، آئندہ میں ان کا ذکر اچھے الفاظ ہی میں کروں گی۔''

جب بالکل نزدیک کے لوگ آپ پر ایمان لا چکے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا:

''اپنے قریبی لوگوں کو ڈرایئے۔''

یہ حکم نازل ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور پکار کر فرمایا:

''اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہرہ اور اے بنی کعب! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن جمع ہو گئے ہیں اور تم پر حملہ کرنے والے ہیں تو بتاؤ، کیا تم میری اطلاع کو درست سمجھو گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے جواب میں سب نے کہا:

''ہاں! ہم آپ کی بات کو درست سمجھیں گے، اس لیے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''تو پھر جان لو! میرے پاس تمہارے لیے سخت عذاب کی اطلاع ہے۔''

ابولہب یہ سن کر سخت ناراض ہوا۔ اس نے بھنا کر کہا:

''تو ہمیشہ برباد رہے... کیا تو نے بس یہی سنانے کے لیے بلایا تھا۔'' (نعوذ باللہ)

پھر سب لوگ بڑبڑاتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ اس پر قریش شدید مخالفت پر اتر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی قریش مکہ کی طرف سے صدمہ پہنچتا تو آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے۔ سیدہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتیں تو آپ کا صدمہ دور ہو جاتا۔ غرض ہر مشکل وقت میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

جب اسلام آہستہ آہستہ پھیلنے لگا تو قریش بہت فکر مند ہوئے۔ انھوں نے ابو طالب کو بلا کر کہا:

''اے ابو طالب! اگر آپ کے بھائی کے بیٹے ہمارے دین کو اور جن بتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں، ان کو اسی طرح برا کہتے رہے اور آپ اسی طرح ان کی مدد کرتے رہے تو ہم سمجھیں گے کہ آپ نے بھی ہمارے مقابلے میں صرف ان کی مدد کی ٹھان رکھی ہے۔ اس صورت میں ہم جو کچھ بھی کریں، پھر شکایت نہ کریں۔''

ابو طالب نے انھیں سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر تبلیغ کرتے رہے۔ اس پر قریش پھر جمع ہوئے۔ ابو طالب کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا:

''اگر آپ نے اب بھی اپنے بھتیجے کو نہ روکا تو ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں رہ جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی مارا جائے۔''

اب ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور کہا:

''بھتیجے! اپنے دین کے اعتبار سے تم مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں۔''

ان کی بات کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں اور مجھ سے کہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس سے باز آ جاؤں تو بھی میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ چاہے میری جان کیوں نہ چلی جائے۔''

یہ سن کر ابو طالب نے کہا:

''بھتیجے! تم جو چاہو، کرو، میں آئندہ تمہیں نہیں ٹوکوں گا۔''

قریش نے بھی جان لیا کہ ابو طالب اس سلسلے میں کچھ بھی کرنے کو تیار نہیں ہیں تو وہ ایک بار پھر جمع ہوئے اور ابو طالب سے بولے:

''اے ابو طالب! آپ کے بھتیجے کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ اسے ہمارے حوالے کر دیں، تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔ اس ایک کے نہ ہونے سے آخر کیا فرق پڑ جائے گا۔''

یہ سن کر ابو طالب بولے:

''بڑے افسوس کی بات ہے۔ اگر میں تم میں سے کسی کے بیٹے کو صرف اپنی مخالفت کی بنیاد پر تم سے مانگوں، تاکہ اسے قتل کر سکوں تو کیا تم ایسا کرو گے۔ نہیں کرو گے۔ تو میں کیوں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کروں۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔''

اس پر سب نے کہا:

''اے ابو طالب! تم اپنی قوم کے صرف ایک شخص کے لیے قوم میں تفرقہ ڈال رہے ہو۔ تم نے اپنی ساری قوم کو اپنے بھتیجے کی خاطر ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔''

یہ کہہ کر قریش لوٹ گئے۔ اب ابو جہل وغیرہ نے ایک جگہ جمع ہو کر سوچ بچار کی اور

آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت ترک نہیں کرتے اور انھیں ہمارے حوالے نہیں کرتے، اس وقت تک ان لوگوں سے کوئی کاروبار نہ کیا جائے۔ نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی جائے، نہ ان سے خریدی جائے۔ نہ ان کے ہاں بیٹی بیٹے کا رشتہ کیا جائے۔ نہ ان کے ساتھ بیٹھا جائے، نہ کسی قسم کا میل جول رکھا جائے، کوئی شخص اگر کسی مسلمان کا مقروض ہے تو قرض ادا نہ کرے اور انھیں شعب ابی طالب میں رہنے پر مجبور کر دیا جائے۔ شعب ابی طالب ایک گھاٹی کا نام تھا۔ آج کے دور میں اس قسم کے معاہدے کو سوشل بائیکاٹ کہا جاتا ہے، یعنی معاشرتی تعلقات ختم کر دینا۔ ان سب حضرات کو وہاں رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔

یہ بائیکاٹ نبوت کے ساتویں سال یکم محرم کو شروع ہوا اور نبوت کے دسویں سال محرم میں ختم ہوا۔ ان تین سالوں میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے گھر والوں، غریب اور نادار مسلمانوں، ابو طالب، بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے مصیبتوں اور مشکلات کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا۔ قریش کے مظالم کے مقابلے میں کوئی کمزوری نہ دکھائی۔ سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں ڈٹے رہے۔

حالت یہ تھی کہ نہ یہ حضرت کسی سے کوئی لین دین کر سکتے تھے، نہ مکہ کے بازاروں میں خرید و فروخت کر سکتے تھے، شعبِ ابو طالب کوہِ ابوقبیس کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی تھی۔ یہ حرم سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے اکثر گھرانے اس محلے میں رہتے تھے یا پھر اس کے ارد گرد رہتے تھے۔ جب کفار نے بائیکاٹ کا معاہدہ لکھ کر حرم میں لٹکا دیا تو ابو طالب نے دوسرے محلوں میں رہنے والے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے گھرانوں کو بھی اس گھاٹی میں آ جانے کے لیے کہا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آبائی مکان دوسرے محلے میں تھا، لیکن آپ اب

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رہتی تھیں۔ انھوں نے بھی اپنا ضروری سامان لیا اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اس گھاٹی میں آ گئیں۔ بعض دوسرے حامی قبیلے اور غریب مسلمان بھی یہیں آ گئے۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان سے نہیں تھا۔ ان سب حضرات کے ایک جگہ جمع ہو کر رہنے کا فیصلہ ابو طالب کا تھا۔ یہ فیصلہ اس لحاظ سے بہت اچھا تھا کہ مسلمان اپنے اپنے محلوں میں بکھرے رہتے تو ان کے لیے یہ تین سال گزارنا اور زیادہ مشکل ہوتا۔ سب نے مل جل کر ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹ کر یہ سال گزار لیے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ تین سال انتہائی مشکل سال تھے۔ باہر سے آ کر کوئی مدد نہیں کرتا تھا۔ البتہ آپس میں یہ سب ایک دوسرے کے غم گسار تھے۔

شعب ابی طالب میں رہنے والے نہ تجارت کر سکتے تھے، نہ مکہ معظّمہ کے بازاروں میں خرید و فروخت کر سکتے تھے۔ باہر سے کوئی قافلہ آتا تو قریش اس کا سارا مال مہنگے داموں خرید لیتے تھے۔ ابولہب ان تاجروں سے کہتا:

''کوئی مسلمان یا بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا کوئی شخص تم سے کچھ خریدنا چاہے تو قیمت اتنی زیادہ بتانا کہ خرید نہ سکیں۔ اگر تمہارا مال نہ بک سکا تو میں خود سارا مال خرید لوں گا۔''

سال میں چار مہینے رجب، ذیقعدہ، ذوالحج اور محرم حرمت کے مہینے تھے۔ ان چار مہینوں میں ان حضرات کو کچھ خرید و فروخت کا موقع ملتا تھا لیکن آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے پاس جو کچھ تھا، اس سے آپ دونوں غریب مسلمانوں کی مدد کرتے رہے اور اس طرح اس بائیکاٹ کے ختم ہوتے ان کی اپنی مالی حالت بہت کمزور ہو گئی۔ حضرت عمر بھی مختلف طریقوں سے مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے تھے، لیکن سینکڑوں لوگوں کی ضرورت پوری کرنا آسان کام نہیں تھا۔

جب ان لوگوں کی پونجی بالکل ختم ہو گئی تو گھریلو چیزیں بکنے لگیں۔ آخری دنوں میں

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک ہانڈی اور مٹی کا پیالہ رہ گیا۔ گھاٹی میں رہنے والے درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے، وہ پہاڑی علاقہ تھا، وہاں درخت بھی بہت کم تھے۔ ان دنوں کی حالت بیان کرتے ہوئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات انھیں اونٹ کے چمڑے کا سوکھا ہوا ٹکڑا مل گیا۔ انھوں نے اسے دھویا اور ابال کر تین دن تک اسی سے گزارا کیا۔

یہ دنیا کی تاریخ کا ظالمانہ ترین بائیکاٹ تھا۔ قریشِ مکہ باقاعدہ نگرانی کرتے تھے کہ مکہ کا کوئی فرد چوری چھپے ان حضرات کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پہنچا دے۔

اصل میں قریشِ مکہ چاہتے تھے کہ ان حضرات کی کوئی حمایت نہ کرے۔ اس کے بعد ان کے لیے قریش کے دیگر خاندانوں سے اپنے اپنے مسلمان ہو جانے والے افراد کی حمایت چھڑا دینا آسان ہو جاتا اور جب تمام قبیلے مسلمانوں کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیتے تو قریش کے لیے مسلمانوں سے نمٹنا آسان ہو جاتا، لیکن ہوا یہ کہ ان دونوں خاندانوں نے ہر قسم کی تکالیف تو برداشت کر لیں، لیکن قریش کے مقابلے میں ہار نہ مانی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غریب ساتھیوں کے مضبوطی سے ڈٹے رہنے میں کوئی فرق نہ آیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حضرت حکیم حزام رضی اللہ عنہ چوری چھپے سامان لے آتے تھے۔ ایک روز غلام کے ساتھ غلہ لا رہے تھے کہ اونٹ پر سوار ابوجہل ادھر آ نکلا۔ اس نے پکار کر کہا:

''کیا تو یہ راشن بنو ہاشم کے لیے لے جا رہا ہے۔ خدا کی قسم! تیرا یہ غلام وہاں غلہ نہیں لے جا سکتا۔ میں تمھیں سارے مکہ میں رسوا کر دوں گا کہ تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔''

ابوجہل ابھی ان سے جھگڑ رہا تھا کہ بنو اسد کا سردار ابوالبختری انھیں دیکھ کر رک گیا۔

اس نے ابوجہل سے پوچھا:

''کیا ہے، تم اس سے کیوں جھگڑ رہے ہو؟''

جواب میں ابوجہل نے کہا:

''یہ بنو ہاشم کے لیے غلہ لے جا رہا ہے۔''

ابوالبختری نے فوراً کہا:

''یہ اس کی پھوپھی کا غلہ ہے۔ جو اس کے پاس رکھا تھا، اب اس نے منگوایا ہے تو تو اسے کیسے روک سکتا ہے۔ جانے دو اسے۔''

''نہیں! میں نہیں جانے دوں گا۔'' ابوجہل اس سے بھی جھگڑ پڑا۔

دونوں میں تیز لہجے میں بات ہونے لگی۔ ابوالبختری نے ابوجہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر جھٹکا دیا تو اونٹ بیٹھ گیا۔ اس نے ابوجہل کو گدی سے پکڑ کر اونٹ سے نیچے کھینچ لیا۔ پھر لاتوں اور گھونسوں سے اس کی خوب مرمت کی۔ یہاں تک کہ قریب پڑی ایک ہڈی اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری۔ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔

ایسے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے۔ آپ انھیں لڑتے دیکھ کر رک گئے۔ انھیں رکتے دیکھ کر دونوں اپنی لڑائی سے باز آ گئے۔ تاکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک ان کی آپس کی لڑائی کی خبر نہ پہنچے۔

تاریخ کی کتابوں میں مصیبت بھرے ان تین سالوں کی بہت تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ابنِ قیم کہتے ہیں:

''بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس قدر زور زور سے روتے تھے کہ ان کے رونے کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔

امام قسطلانی نے لکھا ہے:

''بنی ہاشم کے بچوں کے رونے کی آوازیں رات کے سناٹے میں تمام شہر میں سنائی دیتی تھیں۔ سنگ دل اور بے رحم قریش سنتے تھے اور ہنسا کرتے تھے اور طنز کیا کرتے تھے۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''ان دنوں میں درختوں کے پتے کھا کھا کر گزر بسر کی گئی۔''

ان تمام سختیوں اور تکالیف کے باوجود مسلمان ثابت قدم رہے۔ ان کے قدم ذرا بھی نہ ڈگمگائے۔ ایک رات ہاشم ابن عمرو بن حارث تین اونٹوں پر کھانا لے کر گھاٹی میں داخل ہوگئے۔ یہ مسلمانوں کے ہمدرد تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ قریش کو اس کا پتا چل گیا۔ انھوں نے دوسری صبح ہاشم سے باز پرس کی۔ اس پر انھوں نے کہا:

''ٹھیک ہے۔ آئندہ میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گا جو آپ کے خلاف ہو۔''

اس کے بعد وہ ایک رات پھر دو اونٹوں پر کھانے کا سامان لے کر گھاٹی میں پہنچ گئے۔ قریش کو اس کا بھی پتا چل گیا۔ اس مرتبہ قریش سخت غضب ناک ہوئے اور ہاشم پر حملہ کر دیا، لیکن اسی وقت ابوسفیان نے کہا:

''اسے چھوڑ دو! اس نے صلہ رحمی کی ہے۔ رشتے داروں کا حق پورا کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔''

آخر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع دی کہ دیمک نے قریش کے لکھے ہوئے معاہدے کو چاٹ لیا ہے۔

آنحضرت نے یہ بات اپنے چچا ابوطالب کو بتائی۔ انھوں نے آپ کی بات سن کر کہا:

''ستاروں کی قسم! تم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔'' (مشرک لوگ اس قسم کی قسمیں کھاتے تھے)

اب سب نے گھاٹی سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔ سب وہاں سے نکل کر مسجد حرام میں

آ گئے۔قریش نے ان لوگوں کو دیکھا تو سمجھے کہ یہ لوگ مصیبتوں سے گھبرا کر نکل آئے ہیں، تا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مشرکوں کے حوالے کر دیں، ابو طالب نے ان سے کہا:

''ہمارے اور تمہارے درمیان معاملات بہت طول پکڑ گئے ہیں۔اس لیے اب تم لوگ اپنا وہ حلف نامہ لے آؤ۔ممکن ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان صلح کی کوئی شکل نکل آئے۔''

ابو طالب نے اصل بات بتانے کے بجائے یہ بات اس لیے کہی کہ کہیں قریش حلف نامہ سامنے لانے سے پہلے اسے دیکھ نہ لیں، کیونکہ اس صورت میں وہ اس کو لے کر ہی نہ آتے۔غرض وہ حلف نامہ لے آئے۔انھیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ یہ لوگ اب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ان کے حوالے کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ تمام حلف نامے اور معاہدے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وجہ سے ہوئے تھے۔

آخر وہ حلف نامہ لے آئے۔ساتھ ہی کہنے لگے:

''آخر تم لوگ پیچھے ہٹ گئے نا۔''

اس پر ابو طالب نے کہا:

''میں تمہارے پاس ایک انصاف کی بات لے کر آیا ہوں۔اس میں نہ تمہاری کوئی بے عزتی ہے، نہ ہماری اور وہ بات یہ ہے کہ میرے بھتیجے یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا ہے کہ تمہارے اس حلف نامے پر جو تمہارے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک کیڑا مسلط کر دیا ہے، اس کیڑے نے اس میں سے الفاظ چاٹ لیے ہیں۔اگر بات اسی طرح ہے جیسے میرے بھتیجے نے بتایا ہے تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔لہٰذا تم اپنی غلط بات سے باز آ جاؤ۔اگر باز نہ آئے تو بھی خدا کی قسم جب تک ہم میں سے آخری آدمی بھی زندہ ہے، ہم محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے اور اگر میرے بھتیجے کی بات غلط نکلی تو ہم انھیں تمہارے حوالے کر دیں گے۔پھر تم چاہے، انھیں قتل کرو، چاہے زندہ رکھو۔''

اس پر قریش نے کہا:

''ہمیں تمہاری بات منظور ہے۔''

اب انھوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھا۔ عہد نامے کو واقعی دیمک چاٹ چکی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ پکار اٹھے:

''یہ تمہارے بھتیجے کا جادو ہے۔''

اس واقعے کے بعد ان لوگوں کا ظلم اور بڑھ گیا۔ البتہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو دیمک والے واقعے پر شرمندہ ہوئے۔ انھوں نے کہا:

''اب ہماری طرف سے ایسی سختی اپنے بھائیوں پر ظلم ہے۔''

پھر یہ لوگ گھاٹی میں پہنچے اور ان حضرات سے یوں بولے:

''آپ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں آجائیں۔''

چنانچہ سب لوگ اسی وقت گھاٹی سے نکل کر اپنے گھروں میں آ گئے۔ اس طرح تین سال بعد یہ بائیکاٹ ختم ہوا۔

ابو طالب کی گھاٹی سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے ساتھیوں کی رہائی نبوت کے دسویں سال میں ہوئی۔ اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تبلیغ کا کام پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی سے شروع کر دیا۔ ان حالات میں، اس ظالمانہ بائیکاٹ کو ختم ہوئے ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ کے مہربان چچا ابو طالب اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی وفات پر آپ کو بہت صدمہ ہوا اور اس صدمے کو ابھی ایک ہفتہ نہیں ہوا تھا کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ اوپر تلے دو صدمے آپ کے لیے بہت سخت تھے۔ آپ نے اس سال کو ''غم کا سال'' قرار دیا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی ہستی تھیں جنھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی

قدر اور عظمت کو پہچانا اور اپنا تن، من اور دھن آپ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے شادی کے بعد پچیس سال کی زندگی میں بے پناہ مشکلات آئیں۔ مگر ان تمام مشکلات میں آپ نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پوری طرح ساتھ دیا۔ قریشِ مکہ قدم قدم پر آپ کو تکالیف پہنچاتے تھے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو آرام اور سکون پہنچاتی تھیں۔ آپ نے اپنی ہر خوشی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نچھاور کر دی۔ آپ کی موجودگی میں اللہ کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کی کوئی فکر نہیں ہوتی تھی۔ سب کام آپ نے سنبھالے ہوئے تھے۔

سب سے پہلے ایمان بھی آپ ہی لائیں۔ آپ نے نبی کریم کا بے مثال ساتھ دیا۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

''خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو مجھ سے وفاداری کی، اس کے سبب مجھے ان کی یاد بہت مرغوب ہے۔ جب لوگوں نے میری نبوت کا اقرار کیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگ میری مدد کرنے سے ڈرتے تھے تو وہ چٹان کی مانند مضبوطی سے میرے ساتھ کھڑی رہیں۔ وہ بہترین ساتھی تھیں اور میرے بچوں کی ماں۔''

سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاں چھ بچے پیدا ہوئے، دو صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں۔ صاحب زادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو اس وقت تک آپ کی دو بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی۔ دو بیٹیاں حضرت اِم کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت آٹھ نو سال کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر میں ہی پرورش پائی تھی۔ وہ بھی ابھی چھوٹے تھے۔

بخاری شریف میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ حدیث موجود ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز جبرائیل علیہ السلام آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یوں عرض کرنے لگے۔

''اے اللہ کے رسول! خدیجہ ایک برتن لے کر ابھی آنے والی ہیں۔ اس برتن میں سالن ہے۔ جب وہ آئیں تو انھیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہہ دیجیے گا اور انھیں یہ خوش خبری سنائیے گا کہ اللہ تعالیٰ نے موتیوں سے بنا ہوا ایک محل جنت میں انھیں عطا فرمایا ہے۔ اس میں نہ کسی قسم کا شور ہوگا، نہ پریشانی۔''

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسری شادی کا کبھی خیال تک نہیں فرمایا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ ان کا ذکر بہت محبت سے فرماتے تھے۔ آپ کی سہیلیوں سے بھی بہت شفقت کا برتاؤ کرتے۔ ہر موقعے پر ان کا خیال رکھتے تھے۔ اکثر ان کی تعریف فرماتے۔ یہاں تک کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات کو رشک آنے لگتا۔ آپ کوئی بکری ذبح فرماتے تو اس کا گوشت حضرت سیدہ کی سہیلیوں کو بھی بھجواتے۔

آپ کی وفات کی خبر سن کر مکہ معظّمہ کے لوگ رنج اور غم کے سمندر میں ڈوب گئے۔ ہر شخص کی زبان پر انھی کا ذکر تھا۔ انھوں نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ کبھی زبان سے ایسا لفظ نہیں نکالا جو کسی کی دل شکنی کا سبب بنتا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تکالیف کو دیکھ کر وہ کبھی مایوس نہ ہوتیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حوصلہ افزائی کرتیں اور تبلیغ کے کام میں ہر ممکن مدد کرتیں۔ دوسرے لوگوں کو تکالیف پہنچائی جاتیں تو آپ انھیں بھی حوصلہ دلاتیں۔ انھیں یقین دلاتیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ مکہ میں کسی کی زبان پر بھی ان کی برائی نہیں تھی۔ ہر شخص ان کی تعریف کرتا تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حجون کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ دفن کے وقت

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم خود قبر میں اترے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 63 سال تھی۔ اس وقت تک نمازِ جنازہ کا حکم نہیں آیا تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنھا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے شادی کے بعد پچیس سال تک زندہ رہیں، یعنی اتنی طویل مدت تک آپ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ساتھ دیا۔ جب آپ بیمار تھی تو ایک دن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''جو کچھ میں نے تمہارے لیے دیکھا ہے، کیا تم اس سے خوش نہیں، اللہ تعالیٰ ناپسندیدگی میں ہی خیر فرمانے والا ہے۔ یعنی ہماری جدائی کے اس غم میں بھی خیر ہے۔ تمہیں معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ اس نے جنت میں تمہارے ساتھ ساتھ مریم بنتِ عمران یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ، موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی آسیہ سے میری شادی کی ہے۔'' (یعنی یہ جنت میں تمہاری ساتھی ہوں گی)

یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کی خبر دی ہے۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں!''

اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے کہا۔

''اللہ تعالیٰ محبت و برکت عطا فرمائے۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ سے یہ بھی فرمایا:

''جنت تمہارے دیدار کی مشتاق ہے۔ تمام امہات المومنین سے تم بہتر ہو۔ تم تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہو۔ تم مریم بنتِ عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ سے زیادہ بزرگ ہو۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تمام اولاد سوائے ابراہیم علیہ السلام کے سیدہ خدیجہ

رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سب سے پہلے قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ پھر زینب رضی اللہ عنہا، پھر رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ یہ تمام نبوت سے پہلے پیدا ہوئے۔ ان کے بعد عبداللہ پیدا ہوئے۔ طیب اور طاہر انھی کے لقب تھے۔ بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ بیٹیاں جوان ہوئیں۔ ان کی شادیاں ہوئیں اور ان سے اولاد ہوئی۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تمام اولاد کا سلسلہ نسب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر ختم ہوتا ہے۔

آپ اپنی زندگی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا کرتے رہے۔ ان کی موجودگی میں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ آپ نے انھیں تمام عورتوں سے افضل قرار دیا (بعض روایات کی رو سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو افضل قرار دیا) جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا سلام آپ کے ذریعے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پہنچایا۔ سیدہ نے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا۔ آپ نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا انتہائی تکلیف دہ حالات میں ساتھ دیا۔

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ آپ کی والدہ کا نام امِ رومان تھا۔ امِ رومان کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی نام کے شخص سے ہوا۔ عبداللہ کی وفات کے بعد امِ رومان کا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان سے حضرت ابوبکر کے ہاں عبدالرحمٰن اور عائشہ صدیقہ پیدا ہوئے۔ آپ نبوت کے پانچویں سال میں پیدا ہوئیں۔ یعنی جب آپ پیدا ہوئیں تو نبوت کا اعلان ہوئے چار سال گزر چکے تھے اور پانچواں سال گزر رہا تھا۔ گویا آپ نے جب اس دنیا میں آنکھ کھولی تو آپ کا گھرانا مسلمان ہو چکا تھا۔

عام بچیوں کی طرح آپ بھی بچپن میں کھیل کود کی بہت شوقین تھیں۔ محلے کی بچیاں آپ کے پاس جمع ہو جاتیں۔ وہ ان کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ نبوت کے دسویں سال حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پہلی بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ اس وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر پچاس سال تھی۔ ان کی وفات کے بعد آپ بہت غمگین رہنے لگے تھے۔ آپ کی یہ حالت صحابہ کرام سے چھپی ہوئی نہیں تھیں۔ چنانچہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسولؐ! آپ دوسرا نکاح فرمالیں۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا:

''کس سے نکاح کروں؟''

حضرت خولہ نے عرض کیا:

''بیوہ اور کنواری، دونوں طرح کی لڑکیاں ہیں جس سے آپ پسند فرمائیں، اس کے بارے میں بات کی جاسکتی ہے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''وہ کون ہیں۔''

حضرت خولہ نے عرض کیا:

''بیوہ تو سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں اور کنواری ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی بیٹی عائشہ ہیں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''ٹھیک ہے، تم ان کے بارے میں بات کرو۔''

حضرت خولہ آپ کی مرضی پا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات رکھی۔

جاہلیت کے دور میں دستور یہ تھا کہ جس طرح سگے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح عرب اپنے منہ بولے بھائیوں کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے۔

اس بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''خولہ! عائشہ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بھتیجی ہے، آپ سے اس کا نکاح کیسے ہوسکتا ہے۔''

حضرت خولہ یہ جواب سن کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گئیں اور یہ بات آپ کو بتائی۔اس پر آپ نے فرمایا:

''ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں اور اس قسم کے بھائیوں سے نکاح جائز ہے۔''

حضرت خولہ نے یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتائی تو آپ نے فوراً منظور کرلی۔اب ایک اور مسئلہ بھی تھا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے طے ہو چکی تھی۔اس لیے ان سے بھی پوچھنا ضروری تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت جبیر بن مطعم کے پاس گئے اور ان سے فرمایا:

''تم نے عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے طے کی تھی۔اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟''

اس وقت تک حضرت جبیر بن مطعم کا خاندان مسلمان نہیں ہوا تھا،اس لیے ان کی بیوی نے کہا:

''اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا بیٹا بے دین ہو جائے گا،لہٰذا اب ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔''اس طرح یہ نسبت خود ان کی طرف سے ختم ہوگئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے پہلے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خواب دیکھا تھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز آپ کو پیش کر رہا ہے۔آپ نے اس سے پوچھا:

''یہ کیا ہے؟''

اس نے کہا:

''آپ کی بیوی ہیں۔''

آپ نے ریشم کا کپڑا ہٹا کر دیکھا تو (تصویر میں) عائشہ صدیقہ تھیں۔(بخاری)

گویا یہ رشتہ اللہ تعالیٰ طے فرما چکے تھے۔نکاح بہت سادگی سے ہوا۔آپ اپنی سہیلیوں

کے ساتھ کھیل رہی تھیں کہ آپ کی والدہ آئیں اور آپ کو جلدی سے تیار کر کے گھر لے گئیں جہاں تقریبِ نکاح ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح پڑھا دیا۔

خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب میرا نکاح ہوا، مجھے پتا تک نہ چلا۔ جب میری والدہ نے باہر نکلنے سے روکا، تب مجھے اندازہ ہوا کہ میرا نکاح ہو گیا ہے۔ اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔

نکاح کے وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔ مطلب یہ کہ اس وقت صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی بعد میں ہوئی۔

کچھ مدت گزرنے پر مسلمانوں کی مدینہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی، لیکن آپ ان سے یہی فرماتے رہے۔

''ابوبکر! جلدی نہ کرو، امید ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو تمہارا سفر کا ساتھی بنا دے۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امید ہو گئی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کریں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دے دی تو آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔

روانہ ہوتے وقت آپ دونوں نے اپنے اہل و عیال کو مکہ ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو دو اونٹ اور 500 درہم دے کر مکہ بھیجا، تاکہ دونوں گھرانوں کے لوگوں کو لے آئیں۔

یہ دونوں حضرات مکہ پہنچے تو ان کی ملاقات حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے

ہوئی۔ وہ بھی ہجرت کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ یہ حضرات ان دونوں گھرانوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان حضرات میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا اسامہ، ان کی بیوی ام ایمن، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دو بیٹیاں حضرت امِ کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، آپ کی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت سودہ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد ہوا تھا، لیکن رخصتی پہلے ہوگئی تھی جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہجرت کے بعد ہوئی) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی امِ رومان شامل تھے۔

اس سفر میں حضرت عائشہ اور ان کی والدہ اونٹ کے ایک کجاوے میں سوار تھیں۔
راستے میں ایک موقعے پر ان کا اونٹ بدک گیا۔ اس پر امِ رومان گھبرا گئیں اور پکار اٹھیں:

''ہائے میری بچی۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچی۔ غیب سے آواز آئی:

''اونٹ کی نکیل چھوڑ دو۔''

رسی اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں تھی۔ آپ فرماتی ہیں، میں نے نکیل چھوڑ دی۔ ایسا کرتے ہی اونٹ آرام سے ٹھہر گیا۔ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

آخر یہ قافلہ مدینہ پہنچ گیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجد نبوی کے آس پاس اپنے اہل وعیال کے لیے حجرے بنوا رہے تھے۔ حضرت سودہ، حضرت فاطمہ اور امِ کلثوم رضی اللہ عنھن کو انھی حجروں میں ٹھہرایا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے ماں باپ کے ہاں چلی گئیں۔

اس کے چند ماہ بعد شوال میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ عرب کے لوگ شوال میں شادی

کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ بعد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

''اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شوال میں نکاح کیا اور شوال میں میری رخصتی ہوئی تو اب اس کے خلاف مسلمانوں کو کرنے کا کیا حق ہے۔''

مطلب یہ کہ شوال میں شادی بیاہ کرنا بالکل درست ہے۔ اسی طرح آج کل محرم کے مہینے میں شادیاں نہیں کی جاتیں، یہ بھی غلط ہے۔

رخصتی سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا تھا:

''اے اللہ کے رسول! آپ اپنی بیوی کو گھر کیوں نہیں لاتے۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے؟''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ مجھ سے قرض لے لیں۔''

آپ نے ان کی یہ بات منظور فرمالی۔ ان سے قرض لے کر مہر ادا کیا۔ مہر 500 درہم تھا۔ رخصتی کی کیفیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یوں بیان کرتی ہیں:

''میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ والدہ نے آکر مجھے آواز دی۔ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ کیوں بلا رہی ہیں۔ میں ان کے پاس پہنچی تو میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں، میرا سر اور ہاتھ منہ دھوئے۔ گھر کے اندر انصار کی عورتیں بیٹھی تھیں۔ انھوں نے میرا بناؤ سنگھار کیا۔ پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے، یہ چاشت کا وقت تھا۔

وہ چاشت کا وقت تھا۔ اس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس دعوت کے لیے دودھ کے ایک پیالے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس میں سے

تھوڑا سا دودھ نوش فرمایا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا۔

چند دوسری عورتوں کے ساتھ اس وقت وہاں اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں:

''اللہ کی قسم کوئی دعوت نہیں ہوئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کو دودھ دیا تو آپ شرمانے لگیں۔ اس پر میں نے کہا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرنا۔''

چنانچہ سیدہ نے دودھ لے لیا اور پیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

''اپنی سہیلیوں کو بھی دو۔''

میں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہمیں بھوک نہیں ہے؟''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔'' (مسند احمد 438/6)

مطلب یہ تھا کہ اگر بھوک ہو تو یوں نہ کہو کہ ہمیں بھوک نہیں، یہ جھوٹ ہو جائے گا۔

غرض اس قدر سادگی سے رخصتی ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

''اللہ کی قسم! میری رخصتی میں نہ کوئی اونٹ ذبح کیا گیا، نہ کوئی بکری، ہاں کھانے کا ایک پیالہ تھا۔ وہ بھی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔'' (مسند احمد 210/6)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ کم عمری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آ گئی تھیں، اس لیے آپ کی تربیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں ہوئی۔ اسی زمانے میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ آپ کا حجرہ چونکہ مسجد کے ساتھ ہی تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلّم کی تمام باتیں سنتی رہتی تھیں۔کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو آپ بلا جھجک پوچھ لیتی تھیں۔(بخاری 21/1)

اس کی مثال یوں ہے کہ احادیث کی کتب میں بے شمار مسائل ایسے ہیں جو سیدہ کے پوچھنے سے امت کو معلوم ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ نو سال گزارے اور ان نو سال میں خوب علم حاصل کیا، سیدہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوالات پوچھ پوچھ کر اپنے علم میں اضافہ کرتی رہیں۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم خود بھی یہ بات پسند فرماتے تھے کہ وہ سوالات پوچھیں، تاکہ وہ دوسری عورتوں کو مسائل بتا سکیں۔

امام زہری فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تمام بیویوں اور ان کے علاوہ باقی تمام عورتوں کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علم سب سے بڑھا ہوا رہے گا۔''

حضرت مسروق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خاص شاگرد تھے۔وہ فرماتے ہیں: عمر میں بوڑھے لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرائض (میراث) کے بارے میں معلوم کر لیا کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب کبھی علمی الجھن پیش آتی تو ہم اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کرتے تھے۔جب بھی ہم نے ان سے کچھ پوچھا، انھیں اس مسئلے کے بارے میں ضرور معلوم ہوتا تھا۔''

اس طرح بہت سے صحابہ اور تابعین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں۔

ایک روز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ سے دعا کی:

''اے اللہ! مجھ سے آسان حساب لینا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! آسان حساب کی کیا صورت ہوگی؟''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ''اعمال نامہ دیکھ کر درگزر کر دیا جائے گا۔'' (یعنی یہ ہے آسان حساب)۔ پھر فرمایا:

''یقین جانو جس کے حساب میں چھان بین کی گئی، اے عائشہ وہ ہلاک ہوگیا، کیونکہ جس کے حساب کتاب کی چھان بین ہوگی، وہ حساب دے کر کامیاب نہیں ہو سکے گا۔''

ایک روز حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''اے عائشہ! قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں اور ننگے بدن بغیر ختنہ کے اٹھائے جائیں گے۔'' (یعنی جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں)

یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ تو بڑے شرم کا مقام ہوگا، کیا مرد عورت سب ننگے ہوں گے، ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔''

سیدہ کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''اے عائشہ قیامت کی سختی اس قدر ہوگی اور لوگ اس قدر گھبراہٹ اور پریشانی سے بے حال ہوں گے کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہیں ہوگا، مصیبت اتنی ہوگی کہ کسی کو اس کا خیال تک نہیں آئے گا۔''

ایک بار آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھے اس دنیا سے اٹھا لے اور قیامت میں میرا حشر مسکینوں میں کرنا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

''آپ نے ایسی دعا کیوں کی؟''

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس لیے کہ بلاشبہ مسکین لوگ مال داروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔''اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

''اگر مسکین سائل کی حیثیت میں آئے تو اسے کچھ دیے بغیر واپس نہ لوٹاؤ اور کچھ نہیں تو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے......اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اور ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں......تو ان خوف زدہ لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں، کیا وہ لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوریاں کرتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''اے صدیق کی بیٹی نہیں، اللہ کے اس فرمان سے ایسے مراد نہیں، بلکہ اس آیت میں اللہ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو روزہ رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور اس کے باوجود اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو، ان کے اعمال قبول ہی نہ کیے جائیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

''یہ لوگ نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں۔''

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اللہ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو محبوب رکھتے

ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں۔“

یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

”یہ تو آپ نے بہت گھبرا دینے والی بات سنا دی۔ موت ہم سب کو طبعاً بری لگتی ہے، لہٰذا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی ہم میں سے کسی کی ملاقات کو پسند نہیں کرتے۔“

اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اس کا یہ مطلب نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی خوش خبری سنائی جاتی ہے، لہٰذا اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں رہ جاتی جو مرنے کے بعد اسے پیش آنے والی ہے، اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو چاہنے لگتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو چاہتے ہیں اور بلاشبہ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملنے کی خبر دی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں ہوتی جو مرنے کے بعد اسے پیش آنے والی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔“

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

”اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے۔“

آپ نے فرمایا: ”ہاں عورتوں پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں جنگ نہیں۔ یعنی حج اور عمرہ۔“

ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

”کوئی شخص اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا، یہی بات ہے نا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! یہی بات ہے، کوئی شخص اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یونہی فرمایا، اب حضرت عائشہ نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔''

آپ نے پیشانی مبارک پر ہاتھ مار کر فرمایا: ''ہاں! میں بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گا جب تک کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں نہ ڈھانپ لے۔''

آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ لیلۃ القدر کی رات کون سی ہے یا یہ معلوم ہو جائے کہ آج لیلۃ القدر ہے تو میں کیا مانگوں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا: ''یہ دعا مانگو...... اے اللہ! بلاشبہ تو معاف کرنے والا ہے۔ معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، لہٰذا تو مجھے معاف فرما دے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سب بیویوں سے زیادہ محبت تھی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک روز آپ سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''عائشہ۔''

اب انھوں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ مردوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''ان کے والد ابوبکر سے۔'' (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ایک غزوے کے لیے تشریف لے گئے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیوار پر ایک اچھا سا پردہ لٹکا لیا۔جب آپ واپس تشریف لائے تو اس پردے کو اس زور سے کھینچا کہ وہ پھٹ گیا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی کو لباس پہنائیں۔''

ایک مرتبہ چند یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے۔انہوں نے دبی آواز میں السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہا۔ سام موت کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ انہوں نے موت کی بددعا دی۔یعنی تم پر موت ہو... آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جواب میں صرف اتنا فرمایا:

''وعلیکم۔'' (یعنی اور تم پر موت ہو)

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو بس اتنا ہی فرمایا،لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غصے میں آ گئیں اور فرمانے لگیں:

''تم پر موت ہو،اللہ کی لعنت ہو اور اللہ کا غضب نازل ہو۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''اے عائشہ ٹھہرو!نرمی اختیار کرو اور بدکلامی سے بچو۔''

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''آپ نے سنا نہیں،انہوں نے کیا کہا ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''اور تم نے سنا، میں نے کیا جواب دیا، میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی۔اب اللہ تعالیٰ میری بددعا ان کے حق میں قبول فرمائیں گے ...اور ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوگی۔''

ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہہ دیا کہ ان کا قد چھوٹا ہے۔

آنحضرت نے آپ کو فوراً ٹوکا اور فرمایا:

''یقین جان لو، تم نے ایسا کلمہ کہہ دیا ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی بگاڑ دے۔''

ایک روز آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اے عائشہ! چھوٹے گناہوں سے بھی بچو، کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی پکڑ ہونے والی ہے۔''

ایک مرتبہ اللہ کے رسول نے آپ کو یہ نصیحت فرمائی:

''عائشہ! اگر تو آخرت میں مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو تجھے دنیا میں بس اتنا سامان کافی ہے جتنا مسافر اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے اور مال داروں کے پاس بیٹھنے سے پرہیز کرو اور کسی کپڑے کو پرانا سمجھ کر پہننا مت چھوڑو جب تک کہ اس کو پیوند لگا کر نہ پہن لے۔''

حضرت عمروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''خالہ جان اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے نیا کپڑا اس وقت تک نہیں بناتی تھیں جب تک کہ پہلے بنائے ہوئے کپڑے کو پیوند لگا کر نہیں پہن لیتی تھیں اور جب تک کہ وہ خوب بوسیدہ نہیں ہو جاتا تھا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سب سے پہلی مصیبت امت میں یہ پیدا ہوئی کہ پیٹ بھر کر کھانے لگے... جب پیٹ بھرتے ہیں تو بدن موٹے ہو جاتے ہیں اور دل کمزور ہو جاتے ہیں اور نفسانی خواہش زور پکڑ لیتی ہے۔''

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

''گناہوں کی کمی سے بہتر کوئی پونجی ایسی نہیں جسے تم لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو۔ جسے یہ خوشی ہو کہ عبادت میں محنت کرنے والے سے بازی لے جائے، اسے چاہیے کہ خود کو گناہوں سے بچائے۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں آپ نے اپنے لیے نصیحت کرنے کی فرمائش کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے جواب میں فرمایا:

''تم پر سلام ہو۔ بعد سلام کے واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضی کا خیال نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی شرارتوں سے بھی محفوظ فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی رکھنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرتے۔ اسے لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں... والسلام علیک''۔ (مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دین کا علم دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیا۔ ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ ہے۔ ان میں صحابہ کرام بھی ہیں اور تابعین بھی۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد 48 سال اس دنیا میں گزارے... گویا 48 سال تک دین پھیلایا۔ آپ تقریباً بائیس سو احادیث کی راویہ ہیں۔

آپ سے دین سیکھنے کے لیے آنے والے لوگوں میں عورتیں تو آپ کے سامنے بیٹھ جاتی تھیں... مرد حضرات پردے کے دوسری طرف بیٹھتے تھے... یہ لوگ آپ سے دینی سوالات کرتے تھے اور آپ انہیں جواب بتاتی تھیں۔

آپ ہر سال حج بیت اللہ کے لیے جاتی تھیں۔ اس موقعے پر بھی لوگ دور دور سے آکر ان کے پاس جمع ہو جاتے۔ آپ اپنے خیمے میں بیٹھ جاتیں۔ سوالات پوچھنے والے خیمے سے باہر رہ کر پوچھتے۔ فتوے پوچھنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما جیسے بڑے صحابہ بھی آپ سے مسائل معلوم کرنے والے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں ہوتے تھے، وہاں سے قاصد کے ذریعے مسائل معلوم کراتے اور ان پر عمل کرتے تھے۔

بہت سے لوگ خطوط کے ذریعے آپ سے سوالات پوچھتے تھے۔ عائشہ بنتِ طلحہ آپ کی خاص شاگرد تھیں۔ وہ خطوط پڑھ کر سناتیں اور پوچھتیں:

''اے خالہ جان! میں اس خط کے جواب میں کیا لکھوں۔''

آپ فرماتیں:

''اے بیٹا! اس کے جواب میں یہ لکھ دو... اور ہدیے کا بدلہ دے دو۔''

حضرت اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟''

آپ نے بتایا: ''اپنے گھر میں کام کاج میں مشغول رہتے تھے اور نماز کا وقت آجاتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ آپ اپنی جوتی کی مرمت خود کر لیتے تھے، اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے، اپنے گھریلو کام اس طرح کر لیتے تھے جس طرح عام لوگ کر لیتے ہیں... آپ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنے کام خود کر لیتے تھے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہنسی کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا:

''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کبھی پورے دانتوں اور ڈاڑھوں کے ساتھ ہنستے

نہیں دیکھا جس سے آپ کے حلق مبارک کو دیکھا جا سکتا۔آپ تو بس مسکراتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کسی بیوی کو، نہ کسی خادم کو۔ ہاں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اللہ کے دشمن کو مارا ہو تو اور بات ہے۔اگر آپ کو کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ اس کا بدلہ نہیں لیتے تھے، ہاں اللہ کے حکم کے خلاف کسی سے کوئی کام ہو جاتا تو آپ اللہ کے لیے اسے سزا دیتے تھے۔

آپ فرماتی ہیں:

''سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نماز تہجد سے فارغ ہو کر جب فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے اور میں جاگ رہی ہوتی تو آپ مسجد میں جانے تک مجھ سے باتیں کر لیتے تھے یا داہنی کروٹ میں لیٹ جاتے۔'' (مسلم)

آپ فرماتی ہیں:

''سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم جب رات کو نماز (نفل) پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے مختصر دو رکعت پڑھتے تھے۔اس کے بعد لمبی سورتوں سے نماز ادا فرماتے اور غیر فرض نمازوں میں جس قدر فجر کی دو رکعتوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور کسی غیر فرض نماز کا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، فجر کی دو سنتیں ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہیں۔'' (مسلم)

آپ فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میری گود میں سر رکھ کر لیٹ کر قرآن کی تلاوت کر لیتے تھے، حالانکہ میں ان دنوں ایام سے ہوتی تھی۔''

آپ فرماتی ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو مسجد میں بیٹھے بیٹھے اپنا سر میری طرف جھکا دیتے تھے اور میں آپ کا سر مبارک دھو دیتی تھی... حالانکہ میں ایام سے ہوتی تھی۔ (مسلم، بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ بھرنے اور مزے دار چیزیں حاصل کرنے اور سامان جمع کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا:

''اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ مگر مقصد یہ ہے کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا۔ اس کے قد کا حال یہ تھا کہ اس کی کمر کعبے تک پہنچ رہی تھی، اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو عام بندوں میں بندہ اور نبی بن کر رہیں اور آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ بن کر رہیں... میں نے اس بارے میں جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ لینے کے لیے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں۔ سو میں نے جواب دیا کہ میں نبی ہوتے ہوئے عام بندوں کی طرح رہنا چاہتا ہوں، یہ فرمانے کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا:

''میں اس طرح کھانے کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔''

حضرت مسروق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے میرے لیے کھانا منگوایا۔ پھر فرمایا:

''اگر میں پیٹ بھر کر کھالوں تو رونا آجاتا ہے۔''

میں نے یہ بات سن کر کہا:

''یہ کیوں؟''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''میں اس حال کو یاد کرتی ہوں جس حال میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم دنیا کو چھوڑ کر تشریف لے گئے ہیں۔ اللہ کی قسم! کسی روز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے گوشت اور روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔'' (ترمذی)

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا:

''ہم اگر چاہتے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔''

ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے میری بہن کے بیٹے! سچ جانو! ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے اور گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔''

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''خالہ جان! پھر آپ حضرات زندہ کیسے رہتے تھے۔''

آپ نے فرمایا:

''کھجوروں اور پانی پر گزارا کر لیتے تھے اور اس کے سوا یہ بھی ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پڑوس میں رہنے والے انصار اپنے دودھ اور جانوروں کا ہدیہ بھیج دیا کرتے تھے۔ آپ ان کا دودھ ہمیں پلاتے تھے۔'' (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھر والوں پر بغیر چراغ روشن کیے اور بغیر چولہا جلائے کئی کئی ماہ گزر جاتے تھے۔ اگر زیتون کا تیل مل جاتا تو تھوڑا سا ہونے کی وجہ سے چراغ میں

ڈالنے کے بجائے اسے بدن پر مل لیتے تھے۔ چربی مل جاتی تو اسے کھانے میں استعمال کر لیتے تھے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے (تہجد کی نماز کے وقت) سو جاتی تھی اور میرے پاؤں آپ کے سامنے سجدے کی جگہ پھیلے ہوتے تھے۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو میرے پاؤں کو ہاتھ لگا دیتے تاکہ میں پاؤں ہٹا لوں اور سجدے کی جگہ بن جائے۔ لہٰذا میں پاؤں سکیڑ لیتی۔ جب آپ سجدے سے فارغ ہو جاتے تو میں پاؤں پھیلا دیتی۔ اس زمانے میں گھر میں چراغ نہیں تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم جس بستر پر سوتے تھے، وہ چمڑے کا تھا، اس میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ جس تکیے پر آپ سہارا لگا کر بیٹھا کرتے تھے، اس میں بھی کھجور کی چھال ہوتی تھی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے مبارک گھر میں کپڑے بھی زیادہ نہیں تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کپڑا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پاک کیا تو آپ اسی کو پہن کر مسجد میں نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ یعنی ابھی وہ کپڑا گیلا ہوتا تھا۔

حضرت نافع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں شام اور مصر کا مال دوسرے علاقوں میں تجارت کے لیے لے جاتا تھا۔ ایک مرتبہ عراق میں گیا۔ واپس آیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں بتایا:

''میں پہلے تجارت کا سامان شام لے کر جاتا تھا۔ اس مرتبہ عراق لے گیا...'' یعنی

اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''تم نے ایسا کیوں کیا، تجارت کے لیے اپنا سابقہ علاقہ کیوں چھوڑتے ہو۔ میں نے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ تمہارے لیے کسی ذریعے رزق کے اسباب پیدا فرمادے تو جب تک وہ سبب خود ہی بدل نہ جائے یا دوسرا رخ اختیار نہ کرلے تو اسے نہ چھوڑو۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مجھے ان چیزوں کی فضیلت حاصل ہے۔

نکاح سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے۔

○ میرے علاوہ اور ایسی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے نکاح میں نہیں آئی جس کے ماں باپ دونوں نے ہجرت کی ہو۔

○ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میری برأت نازل فرمائی۔ (یعنی مجھ پر لگنے والے الزام کو جھوٹا قرار دیا)

○ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم پر اس حالت میں وحی آتی تھی کہ میں آپ کے ساتھ لحاف میں لیٹی ہوتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس حالت میں وفات پائی کہ آپ میری گردن اور گود کے درمیان میں تھے اور دن میری باری کا تھا۔

اور میرے ہی گھر میں دفن ہوئے۔

میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔

O میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سب سے پیاری بیوی تھی۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہوئی، اس وقت میرے اور فرشتوں کے علاوہ وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ (الاصابہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:

''عائشہ کی فضیلت عورتوں میں ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔''

ثرید کو عرب میں تمام کھانوں میں فضیلت حاصل تھی۔ روٹی کو شوربے دار گوشت میں پکایا جاتا تھا۔ اسے ثرید کہتے ہیں۔

ایک روز جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں۔ تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا: ''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔''

نکاح سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام سبز ریشم کے کپڑے میں آنحضرت کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر لے کر آئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔''

آپ اکثر روزے رکھتی تھیں، نفل نمازیں بھی بہت پڑھتی تھیں۔ چاشت کی نماز کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ آپ چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں:

''میرے ماں باپ بھی اگر قبر سے اٹھ کر آجائیں، تب بھی میں اس نماز کو نہیں چھوڑوں گی۔''

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ صبح کے وقت گھر سے نکلتے۔ تو سب سے پہلے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے اور انہیں سلام کرتے۔ (یہ ان کے بھائی کے بیٹے تھے) ایک مرتبہ وہاں گئے تو دیکھا کہ آپ کھڑی نفل پڑھ رہی ہیں۔

میں ان کے سلام پھیرنے کے انتظار میں کھڑا رہا... یہاں تک کہ تھک گیا اور آپ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلا آیا۔ میں نے دیکھا، وہ اس وقت رو رہی تھیں۔ (صفۃ الصفوۃ)

آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بھی تہجد پڑھتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد بھی اس کا اہتمام کرتی رہیں۔ (مسند احمد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد بھی آپ تہجد پڑھتی رہیں۔ کثرت سے روزے رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ نو ذی الحجہ کو روزے سے تھیں۔ سخت گرمی کی وجہ سے سر پر پانی کے چھینٹے دے رہی تھیں۔ آپ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھ کر عرض کیا:

''اس شدید گرمی میں نفل روزہ کوئی ضروری نہیں... افطار کرلیں۔'' (یعنی روزہ توڑ دیں)

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے، عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' (مشکوٰۃ)

شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، آپ ان میں چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی بچتی تھیں۔ راستے میں گھنٹی کی آواز آجاتی تو رک جاتیں تاکہ آواز کانوں میں نہ آئے۔ نیکیوں کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ برائیوں سے روکتی بھی تھیں۔

آپ نے ایک مکان کرایے پر دیا۔ کرائے دار کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا کہ وہ شطرنج کھیلتا ہے۔ آپ نے کہلوا بھیجا:

''اس حرکت سے باز آجاؤ... ورنہ مکان سے نکلوا دوں گی۔''

ایک روز آپ کی مشہور شاگرد حضرت معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا:

''یہ کیا بات ہے کہ عورتوں کی جو نمازیں خاص ایام میں چھوٹ جاتی ہیں، وہ نہیں پڑھی جاتیں اور جو روزے چھوٹ جاتے ہیں، وہ رمضان کے بعد رکھے جاتے ہیں۔''

اس سوال کے جواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اے معاذہ! کیا تو آزاد خیال ہوگئی ہے۔'' (اسلام کو اپنی سمجھ کا تابع کرنا چاہتی ہے اور اسلام کے احکامات کو سمجھے بغیر ماننا پسند نہیں کرتیں۔)

آپ کا مطلب یہ تھا کہ دین کو عقل کے تابع نہیں کرنا چاہیے... جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ گمراہ ہیں جیسے اس دور میں خارجی اور معتزلی تھے، یا اب نیچیری فرقے کے لوگ ہیں۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کا جو حکم ان کی ناقص عقل کے مطابق نہ ہو یہ اس پر عمل نہیں کرتے۔

شریعت میں بعض اوقات وضو یا غسل کی جگہ تیمّم کیا جاتا ہے۔ امت کے لیے اس میں بہت آسانی ہے... یہ تیمّم کا حکم بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے نازل ہوا۔ واقعے کی تفصیل یہ ہے، آپ فرماتی ہیں:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ سفر میں گئے۔ بہت سے مسلمان ساتھ تھے۔ رات کے وقت مقامِ بیدا میں قیام کیا گیا۔ وہاں میرے ہار کی لڑی ٹوٹ گئی... آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے ڈھونڈنے کا حکم فرمایا، اس طرح نماز میں دیر ہوگئی اور وہاں پانی نہیں تھا۔ یعنی ہار گم نہ ہوتا تو سب لوگ آگے روانہ ہوجاتے اور پانی مل جاتا۔

اس پر کچھ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''آپ دیکھ رہے ہیں... آپ کی بیٹی نے کیا کیا۔ ان کے ہار کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو روک لیا ہے... اور یہاں قریب کہیں پانی نہیں ہے۔''

ان کی بات سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے

پاس آئے اور آپ کو ڈانٹنے لگے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹنے کے ساتھ ساتھ کمر میں کچوکے بھی مارے۔اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ران پر سر رکھے سو رہے تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خیال سے حرکت تک نہ کی کہ آپ کی آنکھ کھل جائے گی اور آپ بے آرام ہوں گے۔آپ سوتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور پانی موجود نہیں تھا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمادی۔سب نے تیمّم کیا اور نماز ادا کی۔یہ سب دیکھ کر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ خوشی سے کھل اٹھے اور پکارے:

''اے ابوبکر کے گھر والو! تم واقعی بہت برکت والے ہو، یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے۔''یعنی پہلے بھی تم لوگوں کی وجہ سے برکتیں نازل ہوچکی ہیں۔

پھر جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والے اونٹ کو اٹھایا گیا تو آپ کا ہار اس کے نیچے سے مل گیا۔اس طرح امت کو تیمّم کی سہولت ملی۔

آپ کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر قرآن کا علم رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔نہ اسلام کے فرائض، حلال و حرام کا جاننے والا اور عرب کے واقعات کا جاننے والا آپ سے بڑھ کر کوئی دیکھا۔آپ اہلِ عرب کے نسب کی بھی سب سے زیادہ واقف تھیں۔''

اس کے علاوہ آپ حکمت بھی جانتی تھیں، لوگوں کو امراض کی دوائیں بتادیتی تھیں۔ اسی لیے ایک مرتبہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''اے امّاں جان! مجھے آپ کے فقیہہ ہونے پر حیرت نہیں، کیونکہ آپ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ محترمہ ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی

ہیں اور نہ مجھے آپ کی شعر دانی پر اور عرب کے واقعات سے واقفیت پر حیرت ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت میں آپ نے یہ سب سیکھ لیا، لیکن مجھے حیرت اس پر ہے کہ آپ کو طب سے کیونکر واقفیت ہوگئی۔''

اس سوال کے جواب میں آپ نے حضرت عروہ کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

''عروہ بیٹا! طب میں نے اس طرح سیکھی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم آخری عمر میں بیمار ہوجاتے تھے اور لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے۔ وہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو علاج کے طریقے اور دوائیں بتاتے تھے اور میں ان کے ذریعے آپ کا علاج کرتی تھی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہایت سخی تھیں۔ ان کی بہن اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا کا بھی سخاوت میں بہت بڑا درجہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کوئی سخی عورت نہیں دیکھی، لیکن دونوں کی سخاوت میں ایک فرق یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑا تھوڑا جمع کرتی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ جب کافی مقدار جمع ہوجاتی تو ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیتی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا حال یہ تھا کہ کل کے لیے کچھ بچا کے نہیں رکھتی تھیں۔''

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز ستر ہزار کی مالیت ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادی اور اپنا حال یہ تھا کہ تقسیم کرتے وقت آپ کے کرتے میں پیوند لگے ہوئے تھے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک تھالی میں سچے موتی بھر کر حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجے۔ان کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ہدیہ قبول کر کے اپنے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں میں تقسیم فرما دیا۔

ایک روز آپ کا روزہ تھا۔اسی روز آپ کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دو بورے بھر کر ہدیے کے طور پر بھیج دیے۔اس مال کی مالیت دو لاکھ کے قریب تھی۔ آپ اسی وقت تقسیم کرنے بیٹھ گئیں۔جب شام ہوئی تو اس میں سے ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔روزہ افطار کرنے کا وقت آیا تو خادمہ سے فرمایا:

''افطار کے لیے کچھ لاؤ۔''

وہ زیتون کا تیل اور روٹی لے آئیں۔اس وقت آپ کے پاس ایک خاتون امِ ذرہ بیٹھی تھیں۔ان کا بھی روزہ تھا۔وہ بول اٹھیں:

''آپ نے آج اتنا مال تقسیم کیا۔اس میں سے ایک درہم اپنے لیے بھی رکھ لیا ہوتا، اس کا گوشت منگا لیتے۔اس سے ہم افطار کر لیتے۔''

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اب کہنے سے کیا ہوتا ہے۔اس وقت یاد دِلایا ہوتا تو میں رکھ لیتی۔''

ایک واقعہ آپ خود بیان فرماتی ہیں:

''ایک دن میرے پاس ایک عورت آئی۔اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔اس نے سوال کیا۔اس وقت میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہیں تھا۔میں نے وہی اسے دے دی۔اس نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچیوں کو دے دیا، خود نہ لیا۔ اس کے بعد چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم زنان خانے میں تشریف لائے۔میں

نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا:

'جو شخص ان بچیوں کی پرورش میں تھوڑا بہت بھی مبتلا کیا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، تو یہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔''

ایک روز آپ کے گھر میں بکری ذبح کی گئی۔ آنحضرت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد تشریف لائے تو دریافت فرمایا:

''بکری کا کیا ہوا؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''وہ تو صدقہ کر دی گئی۔ بس ایک دستی بچی ہے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''واقعہ یہ ہے کہ اس دستی کے علاوہ سب کچھ بچا ہوا ہے؟''

مطلب یہ تھا کہ جو اللہ کے راستے میں دے دیا، باقی تو وہی ہے، جو ہمارے پاس ہے، اسے تو باقی کہنا درست نہیں۔

آپ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والی، آخرت کی بہت فکر کرنے والی تھیں۔ ایک مرتبہ دوزخ کا خیال آ گیا تو رونے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا تو بولیں:

''دوزخ کا خیال آ گیا، اس لیے رو رہی ہوں۔''

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں:

''اے اللہ کے رسول! جب سے آپ نے منکر نکیر کی ہیبت ناک آواز کا اور قبر کے بھینچے جانے کا ذکر فرمایا ہے، اس وقت سے مجھے کسی چیز سے تسلی نہیں ہوتی۔ دل کی پریشانی

دور نہیں ہوتی۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''اے عائشہ! منکر نکیر کی آواز کا مومن کے کانوں کو دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی کے سر میں درد ہو اور اس کی شفیق ماں اس کے سر کو آہستہ آہستہ دبائے اور وہ اس سے راحت پائے۔''

پھر آپ نے فرمایا:

''اے عائشہ! اللہ کے بارے میں شک کرنے والوں کے بارے میں بڑی خرابی ہے اور وہ قبر میں اس طرح بھینچے جائیں گے جیسے انڈے پر پتھر رکھ کر دبا دیا جائے۔''

آپ فرماتی ہیں کہ ایک روز آپ کے گھر میں ایک یہودی عورت آئی۔ اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا۔ ساتھ ہی اس نے کہا:

''اللہ تعالیٰ تجھے قبر کے عذاب سے پناہ میں رکھے۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! کیا قبر میں عذاب ہوتا ہے؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''قبر کا عذاب حق ہے۔''

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر نماز کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ کی بے پناہ سخاوت کو دیکھ کر ایک دن کسی سے یوں کہہ دیا:

''یا تو وہ اس طرح خرچ کرنے سے رک جائیں، ورنہ میں ان کا ہاتھ روک دوں گا۔''

یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک بھی پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا:

''اچھا؟ عبداللہ نے ایسا کہا ہے۔''

حاضرین میں سے کسی نے کہا:

''جی ہاں! انھوں نے ایسا ہی کہا ہے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''میں نے نذر مان لی، زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے کبھی نہیں بولوں گی۔''

اس کے بعد ایک مدت سے بول چال بند رکھی۔ پھر کچھ حضرات درمیان میں پڑے، تب کہیں جا کر بولنا شروع کیا۔ آپ چونکہ نذر مان چکی تھیں اور نذر کے ٹوٹنے پر ایک غلام آزاد کرنا پڑتا ہے، اس لیے ایک غلام آزاد کر دیا، لیکن خوفِ خدا کا عالم یہ تھا کہ ایک غلام آزاد کرنے کے بعد بھی بار بار اس سلسلے میں غلام آزاد کرتی رہیں کہ شاید اب خطا معاف ہو جائے۔ اب معاف ہو جائے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ سے عمر میں چند سال بڑی تھیں، لیکن ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بعد میں ہوئی تھی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر میں پہلے آ گئی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی تیاریوں میں حضرت عائشہ صدیقہ نے بھرپور حصہ لیا۔ ان کا مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے۔ لکڑی کی الگنی تیار کی، تاکہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں۔ آپ خود بیان کرتی ہیں:

''فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیاہ سے اچھا میں نے کوئی بیاہ نہیں دیکھا۔''

شادی کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جس گھر میں گئیں، اس میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا۔ درمیان میں ایک دریچہ تھا۔ اس دریچے سے آپس میں بات چیت ہو جاتی۔

حدیث کی کتابوں میں کوئی صحیح واقعہ ایسا نہیں جس سے ثابت ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل آپس میں صاف نہیں تھے۔ احادیث سے یہی ثابت ہے کہ دونوں میں بے حد محبت اور میل ملاپ تھا۔

ایک تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

''آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''فاطمہ۔''

پھر فرمایا: ''میں نے فاطمہ سے زیادہ اٹھنے بیٹھنے کے طریقوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چوم لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ (مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک دن ہم سب بیویاں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بیٹھی تھیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آ گئیں۔ ان کی چال بالکل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چال تھی۔ ذرا بھی فرق نہیں تھا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہایت عزت سے ان کو پاس بٹھایا۔ پھر دبی آواز میں ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ وہ سن کر رونے لگیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی بے قراری دیکھ کر پھر کان میں کچھ فرمایا تو وہ ہنسنے لگیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے ان سے کہا:

''فاطمہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم صرف تم سے اپنے راز کی باتیں کہتے ہیں اور تم روتی ہو۔''

پھر جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم وہاں سے چلے گئے تو میں نے ان سے پوچھا:

''فاطمہ! آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کیا فرمارہے تھے؟''

اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''میں باپ کا راز نہیں کھولوں گی۔''

پھر جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا انتقال ہوگیا تو میں نے دوبارہ کہا:

''فاطمہ! میرا تم پر جو حق ہے، میں تمھیں اس کا واسطہ دیتی ہوں۔ اس دن کی بات مجھ سے کہہ دو۔''

انھوں نے جواب دیا:

''ہاں! اب یہ ممکن ہے، میرے رونے کا سبب یہ تھا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی جلد وفات کی اطلاع دی تھی۔ اس پر میں رونے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا، فاطمہ کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ تم تمام دنیا کی عورتوں کی سردار بنو۔'' (بخاری)

اس حدیث سے حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے آپس کے محبت بھرے تعلقات ثابت ہوتے ہیں اور یہ واقعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے آخری حصے کا واقعہ ہے۔ اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان میں تو آپس میں ناراضی تھی، وہ بالکل غلط کہتے ہیں۔ اسی طرح وراثت وغیرہ کے معاملات نے ان پاک نفوس کو کوئی رنج وغیرہ نہیں پہنچایا تھا۔ یہ مقدس ہستیاں کیا زمین اور جائیداد کے لیے جھگڑتیں!!۔ ہرگز نہیں۔

اب ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے سب سے زیادہ دردناک واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب کسی سفر پر جاتے تو ازواجِ مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے۔ قرعہ اندازی میں جن کا نام نکل آتا، آپ سفر میں انھیں ساتھ لے جاتے۔

شعبان 5 ہجری میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم غزوہ بنی مصطلق کے لیے روانہ ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ایک بڑی تعداد آپ کے ساتھ تھی۔ منافقوں کو اندازہ تھا

کہ اس غزوے میں کوئی خوں ریز جنگ نہیں ہوگی، چنانچہ ان کی اچھی خاصی تعداد اسلامی لشکر میں شامل ہوگئی۔ اس سے پہلے منافق لوگ اتنی بڑی تعداد میں اسلامی لشکر میں کبھی شامل نہیں ہوئے تھے۔

اس سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام قرعہ نکلا تھا، لہٰذا آپ ساتھ تھیں۔ روانہ ہوتے وقت آپ نے اپنی بڑی بہن اسماء رضی اللہ عنہا کا ہار پہننے کے لیے لے لیا۔ وہ آپ کے گلے میں تھا۔ ہار کی لڑیاں کمزور تھیں۔ ٹوٹ جاتی تھیں۔

اس زمانے میں پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ اس پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے محمل میں سوار ہوتی تھیں۔ ڈولی کی قسم کی چیز کو محمل کہتے ہیں۔ آپ اس میں بیٹھ جاتیں اور محمل اونٹ پر رکھ دیا جاتا۔ اترنے کی ضرورت پیش آتی تو خادم محمل کو اٹھا کر زمین پر رکھ دیتے۔ اس طرح آپ محمل سے باہر نکل کر اپنی ضرورت سے فارغ ہو لیتیں۔

غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے پچھلے پہر لشکر کو روانگی کا حکم فرما دیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ قافلے کے روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے آپ قضاء حاجت کے لیے قافلے سے کچھ دور چلی گئیں۔ فارغ ہو کر لوٹیں تو گلے پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولا۔ معلوم ہوا، ہار گلے میں نہیں تھا۔ آپ گھبراہٹ میں اس جگہ واپس گئیں اور ہار تلاش کرنے لگیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ہار وہاں ٹوٹ کر گر گیا تھا اور اس کے دانے بکھر گئے تھے۔ ان دانوں کو جمع کرنے میں آپ کو دیر ہوگئی۔ جب آپ ہار کی تلاش میں واپس لوٹیں تھیں تو آپ کو اندازہ تھا کہ جلد لوٹ آئیں گی، اس لیے کسی کو نہ بتایا کہ وہ ہار کی تلاش میں جا رہی ہیں۔ نہ محمل اٹھانے والوں کو بتایا۔

ادھر لشکر روانگی کے لیے تیار تھا۔ لہٰذا ساربانوں نے محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔

اس زمانے میں آپ دبلی پتلی تھیں۔ آپ کا وزن بہت کم تھا، اس لیے محمل اٹھانے والوں کو پتا نہ چلا کہ آپ اس میں نہیں ہیں۔ ان کا خیال یہی تھا کہ آپ محمل میں ہیں۔ اس طرح قافلہ وہاں سے آپ کے بغیر روانہ ہوگیا۔ آپ کو ہار کے دانے مل گئے تو آپ واپس لوٹیں اور یہ دیکھ کر پریشان ہوگئیں کہ قافلہ وہاں سے جاچکا تھا۔ وہاں بالکل سناٹا تھا۔ آپ نے سوچا، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ میں محمل میں نہیں ہوں تو آپ میری تلاش میں کچھ ساتھیوں کو اسی طرف بھیجیں گے۔ یہ سوچ کر آپ نے چادر تانی اور ایک درخت کے نیچے لیٹ گئیں۔ لیٹتے ہی آپ کو نیند نے آلیا۔

حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ لشکر میں ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ قافلے کے پیچھے رہتے تھے۔ جب قافلہ روانہ ہوجاتا تو لوگوں کی گری پڑی رہ جانے والی چیزوں کو سمیٹ کر آگے روانہ ہوتے تھے۔ صبح کے وقت وہ اس مقام پر آئے تو انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ انھوں نے نظر پڑتے ہی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

ان کی آواز سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے اپنا چہرہ فوراً ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے آپ سے کوئی بات نہیں کی۔ نہ آپ نے ان سے بات کی۔ انھوں نے اپنا اونٹ لاکر آپ کے قریب بٹھا دیا۔ خود پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔ آپ اونٹ پر سوار ہوگئیں۔ اب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی مہار پکڑی اور اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئے اور دوپہر کے وقت قافلے میں پہنچے۔

جب منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آتے دیکھا تو وہ باتیں بنانے لگے۔ اس وقت ان میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی سلول بھی تھا۔ اس نے الزامات لگانا شروع کردیے۔ سارے لشکر میں اس بات کو پھیلا دیا۔

جب سب لوگ مدینہ پہنچ گئے تو عبداللہ بن ابی بن سلول شہر میں اس بات کو پھیلانے لگا۔ صحابہ کرام نے اس کی ان حرکات کی خبریں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچائیں۔ آپ بھی بہت رنجیدہ ہوئے، تاہم آپ نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

ادھر عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان باتوں کا بالکل کوئی علم نہیں تھا، کیونکہ مدینہ طیبہ پہنچنے پر آپ بیمار ہوگئی تھیں۔ آپ تقریباً ایک ماہ بیمار رہی۔ منافقوں نے اس واقعے کو خوب اچھالا، نیک دل مسلمانوں نے تو اس واقعے کو سن کر فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے اور بولے:

''یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔''

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا:

''اے امِ ایوب! اگر تم سے کوئی یہ بات کہتا تو کیا تم مان لیتیں۔''

وہ فوراً بولیں:

''استغفر اللہ! کیا کسی شریف خاتون کا یہ کام ہے۔'' یعنی کوئی شریف خاتون کیا ایسا کرسکتی ہے۔

اس پر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تو پھر سیدہ عائشہ صدیقہ تم سے زیادہ شریف ہے۔''

منافقوں نے اپنے علاوہ تین مسلمانوں کو بھی بدگمان کر ڈالا۔ یہ تین مسلمان حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت حمنہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان میں سے حضرت حسان اور حمنہ بنتِ جحش اس سفر میں شریک بھی نہیں تھے۔ بس منافقوں کے جال میں آ کے بدگمان ہو گئے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تو مشہور شاعر ہیں۔ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے

قریبی عزیز تھے۔ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں اور مسطح رضی اللہ عنہ رشتے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔اس طرح عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کی ماموں زاد بہن تھیں۔

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر میں تشریف لاتے تو بس عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کا حال پوچھ لیتے۔آپ کی طرف زیادہ توجہ نہ فرماتے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا اس فرق کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکیں اور پریشان رہنے لگیں کہ نہ جانے کیا بات ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ان سے پہلے کی طرح پیار اور محبت سے پیش نہیں آتے۔

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امِ مسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ قضا حاجت کے لیے جنگل کی طرف گئیں۔عرب کا قدیم طریقہ یہی تھا۔بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلا نہیں بناتے تھے۔دونوں چلی جا رہی تھیں کہ امِ مسطح رضی اللہ عنہا کو کسی چیز سے ٹھوکر لگیں۔ اس پر ان کے منہ سے نکل گیا:

''برا ہو مسطح کا۔''

یہ جملہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حیران ہوئیں اور فرمانے لگیں:

''یہ کیا! تم اپنے بیٹے کو کیوں برا کہہ رہی ہو۔وہ تو غزوہ بدر میں شرکت کر چکا ہے۔''

اب امِ مسطح رضی اللہ عنہا نے کہا:

''اے بھولی بھالی! کیا تمہیں اس قصے کی خبر نہیں؟''

حضرت عائشہ صدیقہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کیسا قصہ؟''

اب امِ مسطح رضی اللہ عنہا نے ساری بات تفصیل سے سنائی کہ منافق لوگوں نے کیا گل کھلائے ہیں اور ان پر کیا الزام لگایا ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دھک سے

رہ گئیں۔ آپ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ مرض میں اور اضافہ ہو گیا۔ اسی وقت گھر لوٹ آئیں۔ آپ کے بخار میں تیزی آگئی۔ ساری بات سن کر انھیں صدمہ ہی اس قدر پہنچا تھا۔

پھر جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر تشریف لائے تو آپ نے عرض کیا:

''اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ماں باپ کے گھر جانا چاہتی ہوں۔''

یہ آپ نے اس لیے کہا کہ گھر جا کر ماں باپ سے اس بارے میں تصدیق کرنا چاہتی تھیں، کیونکہ صرف امِ مسطح رضی اللہ عنہا کی زبان سے سن کر انھیں پوری طرح یقین نہیں آیا تھا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اجازت دے دی۔

اپنے ماں باپ کے گھر آتے ہی آپ نے والدہ سے کہا:

''اے اماں جان! آپ کو معلوم ہے، لوگ میرے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔''

والدہ نے کہا:

''ہاں بیٹی! مجھے معلوم ہے، لیکن تو رنج نہ کر، دنیا کا تو یہی طریقہ ہے۔ جب کوئی عورت خوب صورت ہو، نیک سیرت ہو، اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبہ ہو تو دوسری عورتیں اس سے حسد کرنے لگتی ہیں۔ اس پر طرح طرح کے الزامات لگانے لگتی ہیں۔''

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں:

''سبحان اللہ! اس کا مطلب ہے، لوگوں میں اس بات کا چرچا ہے، تو کیا میرے باپ کو بھی علم ہے۔''

ماں نے جواب دیا: ''ہاں! انھیں بھی معلوم ہے۔''

اب سیدہ نے پوچھا: ''اور کیا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی علم ہے۔''

ماں نے جواب دیا:

''ہاں! انھیں بھی علم ہے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اے ماں! اللہ تمہاری مغفرت کرے، لوگوں میں تو اس کا چرچا ہے اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔''

یہ کہتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے، آپ کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت گھر کے دوسرے حصے میں قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ آپ کی چیخیں سن کر نیچے آئے اور اپنی زوجہ سے بولے: ''کیا ہوا اسے؟''

ماں نے کہا: ''ہماری بچی کو تو اس واقعے کا پتا بھی نہیں تھا۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''اس واقعے کا مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ مجھے بخار ہو گیا۔ شدید سردی محسوس ہونے لگی۔ میری والدہ نے کئی کپڑے مجھ پر ڈال دیے۔ میں تمام رات آنسو بہاتی رہی۔ ایک لمحے کے لیے بھی آنسو نہ رکے۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی ثابت شدہ تھی، لیکن شریر لوگوں کے الزام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بے چین کر دیا تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اب تک اس سلسلے میں وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے اللہ کے رسول! وہ آپ کی اہلیہ ہیں۔ آپ کی شان کے مطابق ہیں۔ ان کی پاک دامنی پر کوئی شک کیا ہی نہیں جا سکتا۔ وہ تو شبنم کی طرح پاکیزہ ہیں۔ اس بارے میں مشورے کی کیا ضرورت ہے، لیکن اگر آپ ضرور ہماری رائے جاننا چاہتے ہیں تو جہاں تک ہمیں معلوم ہے، آپ کے گھر کے لوگ یعنی آپ کی ازواج مطہرات میں ہم نے خیر اور

خوبی کے سوا کبھی کوئی بات نہیں دیکھی۔ ان میں تو سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے۔ آپ ان افواہوں کی کچھ پروا نہ کریں۔''

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رائے معلوم کی تو انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ آپ گھر کی خادمہ سے پوچھ گچھ کرلیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

''مجھے تو ان میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ یہ کم عمر ہیں اور بعض اوقات تو آٹا گوندھتے گوندھتے سو جاتی ہیں۔'' مطلب یہ تھا کہ وہ تو اس قدر بھولی بھالی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے بھی پوچھا۔ وہ بولیں:

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں نے تو عائشہ میں خیر کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھا۔''

اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے، منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں کے سامنے پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر فرمایا:

''مسلمانو! میری طرف سے اس شریر کو کون سزا دے گا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میرے اہلِ بیت پر الزام لگاتا ہے۔ جس نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے اہل میں سوائے نیکی اور پاک دامنی کے کچھ نہیں پاتا اور اس بارے میں جس شخص (یعنی حضرت صفوان) کا نام لیا جارہا ہے، اس میں بھی میں نے سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔''

یہ سن کر قبیلہ بنی اوس کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ اگر یہ شخص ہمارے قبیلے کا ہوا تو ہم خود ہی اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر وہ قبیلہ بنی خزرج کا ہوا تو جو آپ حکم دیں گے، کریں گے۔''

اس روز آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔ دونوں قبیلے اس بات پر اڑ گئے تھے کہ اس منافق کو قتل ہم کریں گے۔ اس بنیاد پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خاموشی اختیار فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''یہ دن بھی میرا روتے ہوئے گزرا۔ ایک لمحے کے لیے بھی آنسوؤں کی بارش نہ رکی۔ رات بھی اسی طرح گزری۔ میرے ماں باپ پریشان تھے کہ کہیں غم سے میرا کلیجہ نہ پھٹ جائے۔ صبح ہوئی تو میرے ماں باپ میرے بالکل قریب آ کر بیٹھ گئے اور میں برابر روئے جا رہی تھی۔ میں اس وقت بھی رو رہی تھی۔ ایسے میں ایک انصاری عورت آ کر میرے پاس بیٹھ گئی۔ مجھے روتے دیکھ کر وہ بھی رونے لگی۔ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے۔ آپ نے سلام کیا اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ جب سے یہ واقعہ ہوا تھا، اس وقت سے آپ میرے قریب نہیں بیٹھے تھے۔ ایک ماہ گزر چکا تھا، اس دوران وحی بھی نہیں آئی تھی۔ اس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں ایسی ایسی چیزیں پہنچی ہیں، اگر تو اس گناہ سے بری ہے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد تجھے بری کرے گا اور اگر تو نے کوئی گناہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کر، اس لیے کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔''

جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بات ارشاد فرمائی، اس وقت میرے آنسو خشک ہو گئے۔ ایک قطرہ بھی آنکھ میں باقی نہ رہا۔ پھر میں نے اپنے والد سے کہا:

''آپ اللہ کے رسول کو میری طرف سے جواب دیں۔''

میرے والد نے کہا:

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ میں کیا جواب دوں۔''

اب میں نے اپنی والدہ سے کہا:

''اماں! آپ میری طرف سے جواب دیں۔''

انھوں نے کہا: ''بیٹی! میں کیا جواب دوں؟''

اب میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، میں بالکل بے گناہ ہوں، اللہ خوب جانتا ہے، میں بے گناہ ہوں۔ اس موقعے پر میں وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا۔ صبرِ جمیل اختیار کرنا ہے اور اللہ سے اس معاملے میں مدد چاہیے جو تم بیان کر رہے ہو۔''

میں اتنی بات کہہ کر وہاں سے ہٹ گئی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ میں چونکہ بے گناہ ہوں اس لیے اللہ تعالیٰ ضرور میری برأت کا اظہار فرما دیں گے، لیکن مجھے خیال تک نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں میری برأت کے لیے آیات نازل فرمائیں گے، کیونکہ میں اپنی حیثیت اتنی نہیں سمجھتی تھی۔ مجھے تو بس یہ امید تھی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کوئی خواب دیکھ لیں گے۔ اس میں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے برأت ظاہر کر دی جائے گی۔

ابھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم وہیں تشریف فرما تھے اور گھر والوں میں سے بھی کوئی گھر سے نہیں نکلا تھا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر وہ کیفیت طاری ہو گئی جو وحی کے وقت طاری ہوتی تھی۔ اس کیفیت میں سردی کے دنوں میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ ٹپک پڑتا تھا۔

جب یہ کیفیت ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی نازل فرمائی تھی، وہ پوری ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنستے ہوئے سب سے پہلے یہ جملہ فرمایا:

''اے عائشہ! اللہ کی تعریف کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بری کر دیا۔''

یہ سنتے ہی میرے ماں باپ بول اٹھے:

''عائشہ کھڑی ہو جاؤ! آنحضرت کے سامنے چلو اور آپ کا شکریہ ادا کرو۔''

اس وقت میں بہت زیادہ رنج کی حالت میں تھی، لہٰذا میں نے ان کی بات سن کر کہا:

''میں اس معاملے میں اپنے اللہ کا شکر کیوں نہ ادا کروں جس نے میری برائت فرمائی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برائت کے سلسلے میں جو آیات نازل ہوئیں، وہ یہ ہیں:

''جن لوگوں نے یہ تہمت لگائی ہے، وہ تمہارے درمیان ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ تم اس بہتان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ (انجام کے اعتبار سے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جتنا کچھ اس نے کہا، اس کا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس بہتان میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس کے لیے دردناک سزا ہے۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے سلسلے میں عبداللہ بن ابی بن سلول سب سے آگے تھا، یہ منافقوں کا سردار تھا۔ اس نے اس واقعے کو خوب اچھالا تھا۔ باقی رہے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت مسطح رضی اللہ عنہ اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا۔ یہ تینوں مخلص مسلمان تھے، لیکن منافقوں کی باتوں میں آگئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے تقریباً دو رکوع سورہ نور میں نازل فرمائے۔ دراصل اس واقعے نے جسے تاریخ میں واقعہ افک لکھا گیا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی ثابت کر دی۔ آپ کی عقل اور سوجھ بوجھ کو روشن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے

میں فرمایا:

''تم اس حادثے کو اپنے لیے شرف سمجھو! یہ تمہارے لیے خیر ہے۔''

اور ظاہر ہے، اس سے بڑی خیر کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیات نازل فرما کر آپ کی پاک دامنی کی گواہی دی اور یہ آیات قیامت تک تلاوت کی جاتی رہیں گی۔

اس اہم ترین واقعے میں اور بھی بہت سی حکمتیں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآنِ کریم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اپنی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے۔ ورنہ ایک ماہ تک اپنی زوجہ محترمہ کو اور اس کے ماں باپ کو رلانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ فوراً ہی فرما دیتے کہ یہ بہت بڑا بہتان ہے، بلکہ یہ اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقریباً ایک ماہ بعد ہوا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی نازل ہوتی تھی، اسے چھپانے کا اختیار آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نہیں تھا۔ جو کچھ نازل ہوتا تھا، وہ آپ دوسروں کو سناتے تھے، لہٰذا یہ پورا واقعہ مسلمانوں کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام چھپی اور غائب باتوں کا، ہر چیز کا علم نہیں تھا۔ یہ جاہلوں کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اور ولی سب کچھ جانتے ہیں۔ صحیح عقیدہ جو قرآن وسنت سے ثابت ہے یہ ہے کہ عالم الغیب، ہر شے کا علم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے ساری مخلوق سے زیادہ علم عطا کیا تھا مگر عالم الغیب نہیں بنایا تھا۔ اگر عالم الغیب ہوتے تو اتنے دنوں تک وحی کا انتظار کیوں فرماتے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لیے تمام ازواجِ مطہرات کے پاس بیٹھتے تھے۔ اس معمول میں قدرے فرق اس طرح آیا کہ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں کچھ زیادہ وقت کے لیے بیٹھنے لگے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی تو پتا چلا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

کے ہاں کہیں سے شہد آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ شہد بہت پسند تھا، اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کو شہد پیش کرتی تھیں۔ سو اس وجہ سے قدرے زیادہ وقت لگ جاتا تھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے اس بات کا ذکر کیا اور مشورہ کیا کہ اس سلسلے میں کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت نفاست پسند تھے۔ ذراسی بو بھی آپ کو ناگوار گزرتی تھی اور شہد کی مکھیاں جس قسم کے پھولوں سے رس چوستی ہیں، شہد کی مٹھاس میں اس قسم کے پھولوں کی لذت اور بو ہوتی ہے۔ عرب میں ایک پھول کا نام مغافیر ہے۔ یہ قدرے تیز بو والا پھول ہے۔ شہد کی مکھیاں عام طور پر وہاں اس پھول پر بیٹھتی ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کو سمجھا دیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو پوچھنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے یہ بو کیسی آ رہی ہے۔ جب آپ بتائیں کہ شہد کھایا ہے تو کہنا چاہیے، اس میں مغافیر کی بو ہے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"ٹھیک ہے! اب میں شہد نہیں کھاؤں گا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے فوراً یہ آیت نازل فرمائی۔

"اے پیغمبر! اللہ نے آپ کے لیے جو حلال کیا ہے، اسے اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اس نے آپ کی قسم کا کفارہ مقرر کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کا مولیٰ اور علم و حکمت والا ہے۔" (سورہ تحریم: 10)

اس آیت کے ذریعے بتایا گیا کہ آپ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہیں کر سکتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر ابھی صرف اٹھارہ سال کی تھی کہ آنحضرت

صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا۔

11 ہجری میں ماہ صفر کی آخری تاریخوں میں ایک روز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے تو آپ کے سر میں درد تھا۔ وہاں سے آپ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اور طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے بستر پر لیٹ گئے۔ تمام بیویوں کو آپ کی طبیعت کی خرابی کی خبر ہوگئی۔ سب آپ کے گرد جمع ہوگئیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اس حالت میں آپ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ سب نے خوشی سے اجازت دے دی۔ آپ وہاں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے آئے اور اس دنیا میں آخری وقت تک پھر وہیں رہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے انتقال کے وقت کی جس قدر روایات ہیں، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت کی گئی ہیں۔

سر درد کے ساتھ آپ کو بخار بھی ہوگیا تھا اور مرض میں روز بروز شدت آرہی تھی۔ آپ کی ازواجِ مطہرات تیمارداری میں لگی تھیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی صحت کے لیے دعائیں کر رہی تھیں، لیکن آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کا وقت آ چکا تھا۔ وفات کے وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سر مبارک سیدہ کی گود میں تھا۔ آپ فرماتی ہیں:

''اچانک مجھے آپ کے بدن کا بوجھ محسوس ہوا۔ آپ کی آنکھیں دیکھیں تو وہ کھلی تھیں۔ میں نے آپ کا سر مبارک تکیے پر رکھ دیا اور رونے لگی۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے ہی میں دفن کیا گیا اور یہ جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ ایک مرتبہ سیدہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ تین چاند ٹوٹ کر آپ کے حجرے میں آگرے ہیں۔ آپ نے اس خواب کا ذکر اپنے والدِ محترم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا تھا جب سرکارِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم

اس حجرے میں دفن ہوئے تو سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور ان میں سب سے بہتر ہے۔''

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ دوسرے دو چاند ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے جنھیں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد اب آپ بیوہ تھیں۔ اسی عالم میں آپ نے اپنی زندگی کے پچاس سال بسر کیے۔ آپ کی قبر مبارک کے پاس ہی سوتی رہیں، لیکن پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا تو وہاں سونا چھوڑ دیا۔ تاہم حجرے میں آنا جانا نہ چھوڑا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور آپ کو بھی روضہ مبارک میں دفن کیا گیا۔ اس پر بھی آپ آتی جاتی رہیں اور اندر چہرہ ڈھانک کر نہیں رکھتی تھیں، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور آپ کو وہاں دفن کیا گیا تو پھر آپ پردہ کر کے وہاں آنے لگیں۔ اس بارے میں آپ فرماتی ہیں:

''اب یہاں بے پردہ آتے حیا آتی ہے۔''

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد آپ کے والد بزرگوار کو خلیفہ چنا گیا۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہا نے ایک روز چاہا کہ وراثت حاصل کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمایندہ بنا کر بھیجیں، لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انھیں یاد دلایا:

''آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی زندگی مبارک میں فرمایا تھا۔ ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوگا۔''

یہ سن کر سب خاموش ہوگئیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دو سال تک خلیفہ

رہے۔ 13 ہجری میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ نزع کے وقت سیدہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھیں۔ آپ نے ان سے پوچھا:

''اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے؟''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: ''تین سفید کپڑے۔''

انھوں نے پوچھا: ''آپ نے کس روز وفات پائی تھی۔''

سیدہ نے جواب دیا: ''پیر کے روز۔''

آپ نے پوچھا: ''آج کون سا دن ہے۔''

انھوں نے بتایا: ''آج پیر ہے۔''

اس پر ابوبکر صدیق نے فرمایا: ''آج رات تک میرا بھی چل چلاؤ ہے۔''

پھر فرمایا: ''مجھے انھی کپڑوں میں دفن کیا جائے۔''

ان سے کہا گیا: ''یہ پرانے کپڑے ہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''نئے کپڑوں کی ضرورت مردوں کی نسبت زندوں کو زیادہ ہے۔'' (بخاری)

آپ اسی روز انتقال کر گئے۔ آپ کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ یہ دوسرا چاند تھا جو آپ کے حجرے میں اتر آیا تھا۔

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام ازواجِ مطہرات کو بارہ ہزار درہم سالانہ دیا جاتا تھا۔ کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''آپ نے ان کے لیے یہ رقم کیوں مقرر کی؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یہ سب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبوب اور منظورِ نظر تھیں۔''

عراق فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں موتیوں کی ایک ڈبیہ بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا:

''اگر آپ لوگ اجازت دے دیں تو میں یہ موتی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دوں، کیونکہ سیدہ عائشہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھیں۔'' سب نے خوشی سے اجازت دے دی۔ چنانچہ ڈبیہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھیج دی گئی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں، لیکن آپ نے اس خواہش کا کبھی اظہار نہیں کیا تھا جب آپ کا آخری وقت آ پہنچا، تب یہ خواہش ظاہر کی اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور ان سے فرمایا:

''ام المومنین کو میری طرف سے سلام کہنا اور عرض کرنا، عمر کی خواہش ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''وہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی، لیکن عمر کی خوشی کے لیے ان کے لیے یہ اجازت دیتی ہوں۔''

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے حجرے میں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اس طرح اس حجرے میں تیسرا چاند اتر آیا۔

آپ تمام مسلمانوں کی ماں تھیں۔ مسلمانوں کو ان سے بہت محبت تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ نے ایک ماں ہونے کے ناطے بہت اہم کردار ادا کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں عبداللہ ابن سبا نے اسلامی سلطنت کے خلاف ایک

بہت بڑی سازش شروع کی۔ یہ شخص یہودی تھا، بس ظاہر میں مسلمان تھا۔ اس نے سازش کا ایک جال چاروں طرف بچھا دیا۔ آج تک مسلمان اس سازش کے نقصانات بھگت رہے ہیں۔

اس کی سازش کا اصل نکتہ یہ تھا کہ وہ لوگوں میں کہتا پھرتا تھا:

''لوگو! آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد ان کے اصل جانشین دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے بارے میں وصیت کر دی تھی کہ میرے بعد انھیں خلیفہ بنایا جائے۔''

یہ بات لے کر اس نے ساری اسلامی ریاست کا دورہ کیا۔ ہر طرف یہ بات خوب پھیلائی۔ اس زمانے میں کوفہ، بصرہ اور مصر اسلامی فوج کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ وہاں اس نے زیادہ کوشش کی اور اپنے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ حج کا زمانہ آیا تو یہ سب لوگ حجاز پہنچ گئے اور وہاں بھی ان باتوں کو پھیلانے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ نے انھیں سمجھایا اور واپس جانے پر آمادہ کر لیا۔ یہ لوگ چلے تو گئے، لیکن کچھ دور جا کر پھر لوٹ آئے۔ صحابہ کرام کو ان کے دوبارہ آنے کی اطلاع ملی تو فوراً ان کے پاس پہنچے۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا:

''کیا بات ہے۔ تم پھر آ گئے؟''

اس پر ان میں سے ایک نے کہا: ''ہمارے پاس ایک خط ہے۔ یہ خط مصر کے گورنر کے نام لکھا گیا ہے۔ اس خط میں انھوں نے لکھا ہے کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو ان کے سرغنوں کو فوراً قتل کر دو۔ باقیوں کو قید میں ڈال دو اور یہ خط مروان بن حکم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔'' ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کے ہاتھ سے لکھوایا ہے۔ مروان حضرت عثمان کے قریبی رشتے دار تھے۔ اس خط پر حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔

اور اس کے بعد ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ مجبوراً اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ یہ خط انھوں نے نہیں لکھوایا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ خط جعلی تھا اور باغیوں نے خود لکھا تھا۔ سازشی لوگ اس قسم کے کام نہ کریں تو ان پر یقین کون کرے۔ بہر حال یہ ان کی چال تھی۔ وہ ہر حال میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا چاہتے تھے، تا کہ امتِ مسلمہ میں خانہ جنگیوں کا آغاز ہو جائے اور آخر کار انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چالیس روز کے محاصرے کے بعد شہید کر دیا۔

اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج کے ارادے میں مکہ معظّمہ گئی ہوئی تھیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ ہر طرف بے چینی پھیل گئی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج سے فارغ ہو کر مکہ سے نکل چکی تھیں کہ مدینہ منورہ کی طرف سے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما آ گئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ قریشی ہیں۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں اور اس لحاظ سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہم زلف ہیں اور پھر عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ اسی طرح حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہیں۔ آپ بھی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہم زلف تھے، یعنی حضرت ابو بکر صدیق کے داماد تھے۔ صحابیِ رسول تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فتنہ پردازوں نے شہید کر دیا ہے اور شدید ابتری پیدا

ہوگئی ہے۔لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔''

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''ہمیں سوچنا ہوگا کہ اب کیا کیا جائے۔''

اب یہ حضرت واپس مکہ معظمہ آ گئے۔لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی تو ان کے اردگرد جمع ہونے لگے۔

اس موقعے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قرآنِ کریم کی آیت تلاوت کی۔اس کا ترجمہ یہ ہے:

''اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ پس اگر ایک جماعت دوسری پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والی جماعت سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے تو دونوں میں صلح کرا دو۔'' (سورۃ الحجرات: 1)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو اللہ کا یہ حکم سنایا۔آپ بہت بہادر تھیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں بعض غزوات میں شریک رہ چکی تھیں۔آپ غزوہ بدر میں بھی گئی تھیں۔غزوہ احد میں جب مسلمان دشمنوں میں گھر گئے تھے اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ رہے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مشک کاندھے پر ڈال کر زخمیوں کو دوڑ دوڑ کر پانی پلا رہی تھیں۔غزوہ خندق میں جب مسلمان گھیرے میں تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زنانہ قلعے سے نکل کر جنگ کی حالت دیکھا کرتی تھیں۔

(مسند امام احمد)

مطلب یہ کہ بہت دلیر تھیں، مسلمانوں کی اصلاح کرنے کی خواہش مند تھیں۔اس موقعے پر اسی لیے آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

آپ نے ان سب سے یہ بھی فرمایا:

''اللہ کی قسم عثمان مظلوم مارے گئے۔ میں ان کے خون کا بدلہ لوں گی افسوس! ادھر اُدھر کے آئے ہوئے بلوائیوں نے مدینہ کے غلاموں کے ساتھ مل کر بلوہ کیا۔ انھوں نے ناحق عثمان کی مخالفت کی۔ جس خون کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا، انھوں نے اس کو بہایا۔ جس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا دار الہجرت بنایا تھا، انھوں نے وہاں خوں ریزی کی اور جس مہینے میں خوں ریزی منع تھی، اس مہینے میں خوں ریزی کی، جس کا مال لینا جائز نہیں تھا، اسے لوٹا۔ اللہ کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی بلوائیوں جیسے تمام لوگوں سے افضل ہے جس وجہ سے یہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے دشمن ہوئے تھے، عثمان رضی اللہ عنہ اس سے پاک صاف ہیں۔''

عرب کے دو رئیسوں نے کئی لاکھ درہم اور سواریوں کے اونٹ مہیا کیے۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قیام گاہ پر جلسہ ہوا... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رائے یہ تھی:

''اس وقت چونکہ سبائی لوگ اور باغی مدینہ منورہ ہی میں ہیں، اس لیے ادھر کا رخ کیا جائے۔''

اس پر کچھ اور لوگوں نے مشورے دیے اور آخر طے یہ پایا کہ پہلے بصرہ چلا جائے... آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قافلے کے ساتھ بصرہ روانہ ہوئیں... امہات المومنین اور عام مسلمانوں نے دور تک آ کر اس قافلے کو رخصت کیا۔ اس وقت وہ لوگ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''آہ! مسلمانوں پر کتنا نازک وقت آیا ہے۔''

اس موقعے پر کچھ فتنہ پرور لوگ بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ اسلام کو اندر ہی اندر کمزور کرنے والے لوگ شروع سے چلے آ رہے تھے، لیکن پہلے انہیں کھل کر کام کرنے کا

موقع نہیں مل سکا تھا۔ان کی پہلی کوشش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی صورت میں کامیاب ہوئی تھی... اور دوسری کوشش تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی... اس کے بعد یہ عناصر اور زیادہ سرگرم ہو گئے۔اب جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فوج لے کر مکے سے نکلی ہیں تو ان کے لیے فوج میں شامل ہونا آسان کام تھا۔

آپ مکّہ سے روانہ ہوئیں تو ایک بستی کے کتے لشکر پر بھونکنے لگے۔اس مقام پر ایک روایت بیان کی جاتی ہے... پہلے وہ روایت نقل کی جاتی ہے:

''ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ازواج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم میں سے نہ جانے کون ہوگی جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔''

حواب کسی بستی کا نام تھا۔ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت وہ بیوی غلطی پر ہوگی۔

یہ روایت طبری جلد 3 کے صفحہ 475 پر ہے۔اس کے بارے میں تین طرح کی باتیں لکھی گئی ہیں۔ایک یہ کہ وہ بستی حواب کی ہی تھی مگر لوگوں نے آپ کو یہ معلوم نہیں ہونے دیا۔دوسری روایت یہ ہے کہ وہ بستی حواب کی نہیں تھی۔تیسری یہ ہے کہ یہ روایت ہے ہی گھڑی ہوئی۔

تینوں صورتوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بے قصور ٹھہرتی ہیں... اس طرح نکلنا دراصل آپ کا اجتہاد تھا اور ایسا آپ نے سورۃ الحجرات کی آیت کے تحت کیا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ کتوں کا بھونکنا سن کر جب آپ نے پوچھا کہ یہ کون سی بستی ہے اور آپ کو بتایا گیا کہ یہ حواب کی بستی ہے تو آپ نے فرمایا:

''تب تو میں یہاں سے واپس جاتی ہوں۔''

یہ سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ واپس جانا چاہتی ہیں... کیا خبر... اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے لوگوں میں صلح کرا دے۔''

کچھ اور لوگوں نے بھی کہا: ''بلکہ آپ آگے بڑھیں، مسلمان آپ کو دیکھیں گے تو صلح کرلیں گے۔''

بعض روایات میں ہے کہ اس وقت کئی لوگوں نے یقین کے ساتھ کہا کہ یہ بستی کوئی اور ہے، حواب نہیں۔

ان روایات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس طرح نکلنے سے مقصد صرف مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا تھا۔ آپ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلی تھیں۔

ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ ایک جماعت کو لے کر نکلی ہیں تو آپ بھی مدینہ منورہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت کوفہ کے امیر حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور پرسکون رہنے کی ہدایت کی۔

ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی طرف روانہ فرمایا۔ ان دونوں نے کوفہ کی جامع مسجد میں تقریر کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضلیت بیان کی... اس کے بعد انہوں نے کہا:

''یہ سب ٹھیک ہے، لیکن اس وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا امتحان لے رہا ہے۔''

مسلمان پریشان تھے۔ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیوی تھیں، دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے داماد تھے۔ لوگوں کی الجھن یہ تھی کہ ان حالات میں وہ کس کا ساتھ دیں۔ ایسے میں حضرت عائشہ صدیقہ بصرہ کے قریب پہنچ گئیں۔ بصرہ کے

حاکم عثمان بن حنیف تھے۔ انہوں نے صورت حال معلوم کرنے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا۔ یہ دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا:

''ہمیں بصرہ کے والی عثمان بن حنیف نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کس لیے تشریف لائی ہیں۔''

ان کی بات کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! مجھ جیسے لوگ کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکلتے اور نہ کوئی ماں اصل بات بیٹوں سے چھپا سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے آوارہ لوگوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا... مدینہ حرمِ محترم ہے۔ ان لوگوں نے وہاں فتنہ بپا کیا اور فتنہ پروازوں کو پناہ دی۔ اس بنیاد پر وہ اللہ کی لعنت کے مستحق ٹھہرے۔ ان باتوں کے علاوہ ان لوگوں نے خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ معصوم خون کو حلال جان کر بہایا جس مال کا انہیں لینا جائز نہیں تھا، اسے لوٹا۔ حرم محترم کی بے عزتی کی۔ مقدس مہینے کی توہین کی (یعنی ذوالحجہ میں حضرت عثمان کو شہید کیا) لوگوں کی آبروریزی کی... مسلمانوں کو بے گناہ مارا پیٹا۔ ان کے گھروں میں زبردستی داخل ہوئے۔ میں مسلمانوں کو لے کر اس لیے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں... ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کیا نقصان پہنچ رہے ہیں۔ ہم اصلاح کی دعوت لے کر نکلے ہیں اور اس کا اللہ کے رسول نے ہر چھوٹے بڑے کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد۔''

ان دونوں حضرات نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی ملاقات کی۔ پھر واپس بصرہ کے والی عثمان بن حنیف کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیا چاہتی ہیں۔ عثمان بن حنیف نے ان باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور اپنی فوج لے کر میدان میں آ گئے۔

اس موقعے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بہت پر اثر تقریر کی۔

آپ کی تقریر سن کر عثمان بن حنیف کی فوج سے بہت سے آدمی نکل کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف آ گئے اور پکار اٹھے:

''اللہ کی قسم! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔''

دوسرے روز دونوں جماعتیں آمنے سامنے آ گئیں۔ بصرہ والوں کا سالار حکیم نامی ایک شخص تھا۔ اس نے جنگ شروع کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھی نیزے تانے خاموش کھڑے تھے۔ آپ حکیم اور اس کی فوج کو برابر روک رہی تھیں کہ جنگ شروع نہ کرو، ہمارا مقصد جنگ نہیں ہے، ہم اصلاح کے لیے آئے ہیں، پہلے ہماری بات سن لو۔ آپ کی ان باتوں کے باوجود حکیم باز نہ آیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھی اب بھی ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ ادھر حکیم نے اپنے سواروں کو للکارا۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ساتھیوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم فرمایا اور دوسرے میدان میں لا کھڑا کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا ارادہ ہرگز ہرگز جنگ کا نہیں تھا۔ آپ تو مسلمانوں میں صلح کرانے کی نیت سے نکلی تھیں۔

دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ سات سو آدمی لے کر چلے تھے۔ آپ کوفہ پہنچے تو سات ہزار آدمی ان کے ساتھ ہو لیے۔ بصرہ پہنچتے پہنچتے ان کی تعداد بیس ہزار ہو گئی۔ ادھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے۔

دونوں جماعتیں میدان میں آمنے سامنے خیمہ زن ہو گئیں۔ ہر مسلمان کا دل ڈر رہا تھا کہ کل تک ان کی تلواریں دشمنوں کے سر اڑاتی رہی تھیں کہیں اب خود اپنوں کے سینوں کو نہ چھلنی کرنے لگیں۔

اب دونوں طرف سے صلح کی کوشش شروع ہوئی۔ سبائی گروہ کے لوگ دونوں طرف کی فوجوں میں شامل ہو چکے تھے اور ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح بھی صلح نہ ہو۔ تاکہ

مسلمان آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں اور ان کی سازشوں کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملے جب کہ نیک لوگوں کی پوری پوری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح دونوں گروہوں میں صلح ہو جائے۔ آخر صلح کی بات چیت شروع ہوئی۔ دونوں جماعتیں ہی یہ چاہتی تھیں کہ جنگ نہ ہو۔ معاملات بات چیت کے ذریعے طے ہو جائیں۔ صلح کی بات ابھی جاری تھی۔ اس بات کی زیادہ امید ہو چلی تھی کہ صلح ہو جائے گی۔ بات چیت ہوتے ہوتے رات ہوگئی اور طے یہ پایا کہ باقی بات چیت صبح ہو جائے گی۔ چنانچہ دونوں فریق اپنے اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔

اب کیا ہوا۔ سبائیوں نے حالات کا رخ دیکھ لیا۔ اندازہ لگا لیا کہ ان میں صلح کے امکانات روشن ہو چکے ہیں۔ یہ بات ان کی امیدوں کے بالکل خلاف تھی۔ وہ تو مسلمانوں میں جنگ کی آگ بھڑکا دینے پر تلے بیٹھے تھے۔ انھوں نے ہی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اگر مسلمانوں میں صلح ہو جاتی تو پھر تو شامت انھی کی آتی تھی۔ ان سب کو قتل کیا جاتا۔ لہٰذا انھوں نے فیصلہ کیا۔ ایسا وقت آنے سے پہلے مسلمانوں کو ہی کیوں نہ آپس میں لڑا دیا جائے۔ یہ فسادی لوگ پہلے ہی اپنے پروگرام کے مطابق دونوں طرف کے لشکروں میں شریک ہو چکے تھے اور موقعے کی تاک میں تھے۔ اب جو بات چیت رو کی گئی اور دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ میں چلے گئے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ بس ایسے سبائی لوگوں کے ایک گروہ نے اچانک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فوج پر حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھی یہ سمجھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے حملہ کر دیا ہے، اسی طرح کچھ سبائیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی یہ سمجھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فوج نے حملہ کر دیا ہے۔ بس اس طرح دونوں فریقوں میں جنگ شروع ہوگئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں، تا کہ فوج کو روک

سکیں اور خون خرابہ نہ ہو۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی فوج کو روکنے کی پوری کوشش کی، لیکن جنگ تو چھڑ چکی تھی، رک نہ سکی۔ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں نے آپ کو اونٹ پر سوار دیکھ کر خیال کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنگ کے لیے تیار ہیں، حالانکہ آپ تو ان سب کو روکنے کے لیے اونٹ پر سوار ہوئی تھیں۔ آپ کی فوج میں محمد بن طلحہ سواروں پر افسر تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدل فوج کے افسر تھے۔ مجموعی طور پر پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کر رہے تھے۔

جنگ کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

''اے زبیر! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تم سے پوچھا تھا، کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو، تو تم نے عرض کیا تھا، اے اللہ کے رسول! ہاں! میں علی کو دوست رکھتا ہوں۔ یاد کرو اس وقت تم سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا۔ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔'' (مستدرک حاکم)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

''ہاں! مجھے یاد آ گیا۔''

یہ کہہ کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ لڑائی سے الگ ہو گئے۔ انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا:

''اے پیارے بیٹے! علی نے مجھے ایسی بات یاد دلا دی کہ جنگ کا تمام جوش ختم ہو گیا ہے۔ بے شک ہم حق پر نہیں ہیں، لہٰذا تم بھی جنگ سے باز آ جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔''

اس پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں تو میدانِ جنگ سے نہیں ہٹوں گا۔''

اس پر وہ اکیلے ہی میدانِ جنگ سے نکل آئے اور بصرہ کی طرف چل پڑے۔ ایک سبائی ان کے تعاقب میں لگ گیا اور جب وہ ایک جگہ رک کر نماز ادا کرنے لگے تو انہیں شہید کر دیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ بھی بدل گیا۔ وہ بھی میدانِ جنگ سے نکل آئے۔ اس حالت میں ایک تیر ان کے پاؤں میں آ کر لگا۔ زخمی حالت میں یہ وہاں سے نکل آئے۔ اسی زخم سے آپ نے شہادت پائی۔

میدانِ جنگ میں عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں نے کئی بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ کے اردگرد جو جاں نثار ساتھی تھے، وہ انھیں منہ توڑ جواب دیتے رہے۔ سبائی لوگ دراصل آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھی شہید تو ہوتے رہے، لیکن انھوں نے آپ کی حفاظت سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا۔ ان کی بہادری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔ دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت پریشان بھی تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں کی بہادری کی وجہ سے جنگ طول پکڑتی جا رہی تھی اور اس طرح دونوں طرف کے مسلمانوں کا نقصان ہو رہا تھا۔ گویا سبائی گروہ کی سازش کامیاب ہو رہی تھی۔

ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اگر حالت یہی رہی تو نہ جانے نقصان کہاں تک پہنچ جائے، کیونکہ اس وقت حالت یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ساتھی گرتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی نکیل پکڑ رکھی تھی۔ وہ زخمی ہوئے تو فوراً ایک اور نے پکڑ لی۔ وہ بھی زخمی ہوئے تو ایک اور نے پکڑ لی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ بصرے کا شاہ

سوار عمرو بن بجرہ اس قدر جوش سے لڑ رہا تھا کہ جو اس کے سامنے آیا، کٹ کر گر گیا۔ اسی طرح بنوضبّہ شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوچا، جب تک اونٹ کو نہیں بٹھا دیا جاتا، اس وقت تک خوں ریزی نہیں رک سکے گی، اس لیے آپ کے اشارے پر ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ پر وار کیا۔ اونٹ زخمی ہو کر بیٹھ گیا۔ جونہی اونٹ بیٹھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فوج ہمت ہار گئی۔ جنگ کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عزت اور احترام کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ آپ کے دونوں صاحبزادے انھیں رخصت کرنے ایک منزل تک ساتھ آئے۔ رخصت کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''میرے بچو! ہماری یہ آپس کی کش مکش صرف آپس کی غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں اور علی میں پہلے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس بات کی تائید کی اور فرمایا:

''یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں، ان کی تعظیم اور توقیر ضروری ہے۔''

اس طرح رجب کی پہلی تاریخ 36 ہجری کو سیدہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئیں، چونکہ آپ اس جنگ میں اونٹ پر سوار تھیں۔ اس لیے مورخوں نے اس جنگ کو جنگِ جمل کا نام دیا ہے۔

مدینہ پہنچ کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے میں آ گئیں۔ اس کے بعد لوگوں کو دین کی باتیں سکھاتی رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تقریباً چھ سال رہی۔ اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ چھ ماہ تک خلیفہ رہے، پھر انھوں نے خلافت حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ وہ تقریباً بیس سال تک اسلامی مملکت کے تنہا خلیفہ رہے۔ ان کی خلافت کی مدت کے اختتام سے دو سال پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ستر سال سے کچھ زیادہ تھی۔ آپ نے 17 رمضان المبارک 85 ہجری میں چند روز بیمار رہ کر اس دارِ فانی سے انتقال فرمایا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر سن کر مسلمان اپنے گھروں سے نکل آئے۔ آپ کے جنازے میں اس قدر ہجوم تھا کہ رات کے وقت اس سے پہلے کبھی اتنا ہجوم نہیں دیکھا گیا۔

سیدہ اِم سلمہ رضی اللہ عنہا نے جنازہ دیکھ کر فرمایا:

''عائشہ صدیقہ کے لیے جنت واجب ہے، کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دنوں مدینہ طیبہ کے قائم مقام گورنر تھے، کیونکہ مروان ان دنوں عمرے کے لیے مکہ مکرمہ گیا ہوا تھا، اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمد ابی بکر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عتیق، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر یعنی آپ کے بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔ آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

مدینہ منورہ میں اس روز قیامت برپا تھی۔ ہر آنکھ رو رہی تھی۔ لوگوں نے مدینہ منورہ کے کسی شخص سے پوچھا:

''مدینہ کے لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا غم کتنا محسوس کیا۔''

اس نے جواب دیا:

''وہ مسلمانوں کی ماں تھیں، ماں کے مرنے پر جتنا غم ہوتا ہے، اتنا ہی مدینے کے

مسلمانوں کو غم ہوا تھا۔''

آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی، لیکن آپ کو اس بات کا قطعاً کوئی ملال نہیں تھا۔

آپ اس قدر قناعت پسند تھیں کہ صرف ایک جوڑا اپنے پاس رکھتی تھیں۔ اس کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ آپ کے دل میں اللہ کا خوف کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ بہت جلد رونے لگ جاتی تھیں۔ ایک بار دجال کا خیال کر کے رونے لگیں۔

ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے دروازے پر آئی۔ اس کے ساتھ دو ننھے بچے تھے۔ اس نے سوال کیا۔ اس وقت گھر میں کچھ نہیں تھا۔ آپ نے تین کھجوریں اسے دلوا دیں۔ اس عورت نے ایک کھجور اپنے بچوں کو دے دی۔ بچوں نے تیسری کھجور کی طرف دیکھا تو ماں نے اس کے بھی دو ٹکڑے کر کے دونوں بچوں کو دے دیے۔ ماں کی مامتا کا یہ منظر دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آپ تہجد بہت باقاعدگی سے پڑھتی تھیں۔ چاشت کی نماز بھی ادا فرماتیں۔ ہر سال حج کے لیے جاتیں۔ آپ کو غلام آزاد کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ چالیس غلام آزاد کیے۔ مدینہ منورہ میں بریرہ رضی اللہ عنہا نامی ایک لونڈی تھیں۔ ان کے آقا نے ان سے کہا کہ اگر تم اتنی رقم جمع کرا دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ یہ رقم جمع کرنے کے لیے انھوں نے چندہ مانگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہوئی تو پوری رقم اپنی طرف سے ادا کر کے اسے آزاد کر دیا۔

آپ پردے کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ آپ کے علم و فضل کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم صحابہ کو کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی کہ جس کے بارے میں ہم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے بارے میں کچھ معلومات نہ ملی

ہوں۔''(ترمذی)

مشہور تابعی حضرت عطا ابن رباح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ صاحبِ علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔''(مستدرک حاکم)

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس امت کی تمام عورتوں کا علم جس میں تمام امہات المومنین بھی شامل ہیں، ایک جگہ جمع کیا جاتا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان سب سے زیادہ گہرائی والا ہوتا۔'' (مستدرک حاکم)

محمود ابن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ازواجِ مطہرات بہت سی احادیث زبانی یاد رکھتی تھیں، لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے برابر نہیں۔''(طبقات ابن سعد)

آپ کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قرآن، فرائض، حلال، حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور علم الانساب کا سیدہ عائشہ صدیقہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں دیکھا۔''

آپ دو ہزار کے قریب احادیث کی راوی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ نے ساری زندگی دین کی نشر و اشاعت میں بسر کی۔ دینی مسائل میں آپ فتوے دیا کرتی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے مسئلے پوچھتے تھے۔ اکثر عورتیں اپنے مسائل معلوم کرنے کے لیے آپ کے پاس آتی تھیں اور حج کے موقعے پر تو عورتیں آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ نے کسی عورت کی چادر پر صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے دیکھے۔ صلیب عیسائیوں کا نشان ہے۔ آپ نے اس عورت کو سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:

''اس چادر کو اتار دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ دیا کرتے تھے۔''

آپ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہو۔'' (مستدرک حاکم 10/41)

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی بیوی تھیں۔ آپ کو اپنی سبھی بیویوں سے محبت تھی، لیکن جو قلبی تعلق اور محبت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تھا، وہ کسی اور بیوی سے نہیں تھا، بلکہ آپ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بیویوں ہی میں نہیں، تمام لوگوں میں بھی زیادہ محبوب تھیں۔ (مسند احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی)

جس روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، اس روز سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''آج اس ہستی کا انتقال ہوا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔'' (مستدرک حاکم 13/4)

ایک روز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں اذیت نہ دو۔ اللہ کی قسم! تم میں سے کسی کے بستر میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی سوائے عائشہ کے۔'' (مسند احمد 293/6)

ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے حجرہ مبارک کے دروازے پر پہنچے اور ابھی اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے والے تھے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قدرے اونچی آواز میں بات کرتے سنی۔ پس جب آپ اندر آئے تو حضرت عائشہ صدیقہ کو پکڑ کر بولے:

''اے امِ رومان کی بیٹی! تو سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے اونچی آواز سے بات کرتی ہے۔''

یہ کہہ کر آپ نے انھیں مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کے اور آپ کے درمیان میں آگئے۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے تو آپ نے فرمایا:

''دیکھو! میں نے تمہارے اور تمہارے باپ کے درمیان میں آ کر تمہیں کیسے بچایا۔'' (نسائی، ابوداؤد، مسند احمد)

ایک سفر میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''آؤ عائشہ! دوڑ لگائیں۔''

سیدہ آپ کے ساتھ دوڑ پڑیں اور آپ سے آگے نکل گئیں۔ کچھ مدت بعد ایک اور موقعے پر آپ نے انھیں دوڑنے کی دعوت دی۔ سیدہ آپ کے ساتھ دوڑ پڑیں، لیکن اس مرتبہ آپ آگے نکل گئے۔ اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''عائشہ! یہ اس روز کی دوڑ کا جواب ہے۔'' (ابوداؤد حدیث نمبر 2578)

ایک سفر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بدک گیا اور وہ انھیں لے کر ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس قدر بے قرار ہوئے کہ آپ کے منہ سے نکل گیا۔

''عروساہ۔'' یعنی ہائے میری دلہن۔

ایک مرتبہ کچھ حبشی لوگ کھیل تماشا دکھا رہے تھے۔ بہت سے مرد اور بچے ان کا کھیل دیکھ رہے تھے۔ آپ نے سیدہ سے فرمایا:

''اے عائشہ! کیا تم بھی یہ کھیل دیکھنا چاہتی ہو۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''جی ہاں!''

چنانچہ آپ نے انھیں اپنے کندھے کی اوٹ سے وہ کھیل دکھایا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا چہرہ آپ کے کندھے پر ٹکا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''عائشہ! تم نے دیکھ لیا۔''

اس پر سیدہ بولیں:

''اے اللہ کے رسول! جلدی نہ کریں، میں ابھی اور دیکھنا چاہتی ہوں۔''

جب تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سیر نہیں ہوگئیں، اس وقت تک آپ انھیں کھیل دکھاتے رہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور انھوں نے سیدہ کو سلام کیا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اے عائشہ! جبرئیلِ امین تمہیں سلام کہتے ہیں۔''

سیدہ فرماتی ہیں کہ میں نے جواب میں کہا:

''وعلیہ السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علمِ طب میں بھی مہارت حاصل تھی۔ کسی نے آپ سے پوچھا:

''آپ علمِ فقہ میں ماہر ہیں، اس کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، اس لیے فقہ میں ماہر

ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ آپ اشعار کہتی ہیں تو یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ آپ ابوبکر کی بیٹی ہیں، اشعار کہہ سکتی ہیں، لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ آپ علمِ طب میں کیسے ماہر ہیں۔ مجھے اس پر حیرت ہے۔''

اس پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''آخری عمر میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب بیمار رہنے لگے تو عرب اور عجم کے حکیم حضرات آیا کرتے تھے۔ جو وہ بتاتے، میں اسے یاد کر لیتی تھی۔''

اور سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بے گناہی کے ثبوت میں قرآنِ کریم کی آیات نازل فرمائیں:

اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام سودہ رضی اللہ عنہا تھا۔ آپ قبیلہ عامر بن موسیٰ سے تھیں۔ یہ قریش کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ والد کا نام زمعہ بن قیس تھا۔ آپ کی والدہ کا نام شموس بنتِ قیس تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے آپ کا نکاح سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ سکران آپ کے باپ کے چچازاد بھائی تھے۔

آپ اسلام کے ابتدائی دنوں ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ آپ کے شوہر نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کے وقت بھی دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ ہی میں رہے اور کفار کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ جب مشرکین کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے تیار ہوگئی۔ ان کے ساتھ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند سکران رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی۔ کئی برس بعد جب یہ واپس لوٹے تو سکران رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ میں انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنھا کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمگین رہتے تھے، کیونکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنھا آپ کی بہت غم خوار تھیں۔ آپ کو اس قدر غمزدہ دیکھ کر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنھا نے آپ

سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کو ایک ہمدرد ساتھی کی ضرورت ہے؟''

جواب میں آپ نے فرمایا: ''ہاں!''

آپ کی مرضی معلوم کر کے خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا، سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں۔ انھوں نے وہاں جا کران سے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے آپ پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیے ہیں۔''

انھوں نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

خولہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''مجھے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کی طرف بھیجا ہے، تا کہ میں آپ کی طرف سے شادی کا پیغام دوں۔''

یہ سنتے ہی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''مجھے منظور ہے، لیکن آپ میرے والد سے پوچھ لیں۔''

اب خولہ رضی اللہ عنہا ان کے والد کے پاس گئیں۔ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ انھیں سلام کیا تو وہ بولے:

''کون ہے؟''

انھوں نے اپنا نام بتایا تو وہ بولے: ''خوش آمدید! کہو کیسے آئی ہو۔''

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''محمد صلّی اللہ علیہ نے آپ کی بیٹی کے لیے شادی کا پیغام دیا ہے۔''

یہ سن کر بوڑھے باپ نے کہا: ''ہاں! محمد بہت کریم ہیں، تمہاری سہیلی کیا کہتی ہے۔''

خولہ بولیں: ''انھیں یہ رشتہ منظور ہے۔''

باپ نے کہا: ''تب پھر مجھے بھی منظور ہے۔''

اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم خود وہاں تشریف لے گئے۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے والد نے نکاح پڑھایا۔ چار سو درہم مہر مقرر رہوا۔

10 ہجری میں سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حج فرمایا۔ اس موقعے پر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ آپ بھاری جسم کی تھیں۔ تیز نہیں چل سکتی تھیں۔ اس لیے آپ سے اجازت لی کہ مزدلفہ پہلے روانہ ہو جائیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انھیں اجازت دے دی۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہا لوگوں سے پہلے مزدلفہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ایک روز ازواج مطہرات آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بیٹھی تھیں۔ آپ سے پوچھا گیا:

''اللہ کے رسول! ہم میں سے پہلے کون فوت ہوگا۔''

آپ نے جواب میں فرمایا: ''جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔''

انھوں نے ان الفاظ کا ظاہری مطلب سمجھا اور آپس میں بازو ماپنے لگیں۔ سب سے بڑا اور لمبا ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا تھا، لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو اس وقت معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ جو سب سے زیادہ سخی ہے، اس کا انتقال سب سے پہلے ہوگا۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے 22 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا حضرت سکران رضی اللہ عنہ سے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ ان کا نام عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تھا۔ انھوں نے جنگ جلولا میں شہادت پائی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

احادیث کی کتابوں میں آپ سے صرف پانچ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپ

بلند اخلاق تھیں۔ اطاعت اور فرماں برداری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس فرمان پر اس قدر سختی سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے بھی نہیں گئیں۔ فرمایا کرتی تھیں:

''میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں۔ اب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔''

آپ بہت سخی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد آپ باقی ازواج سے زیادہ سخی تھیں۔ مال اور دولت سے انھیں بالکل محبت نہیں تھی۔ جو آتا، اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں درہموں سے بھری ایک تھیلی بھیجی۔ آپ نے تھیلی لانے والے سے پوچھا: ''اس میں کیا ہے۔''

اس نے بتایا کہ درہم ہیں۔ آپ نے وہ تمام درہم اسی وقت تقسیم کر دیے۔

آپ کی طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ کبھی کبھی آپ کی باتوں سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم مسکرا پڑتے۔ ایک روز کہنے لگیں:

''کل رات میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ آپ نے اس قدر دیر تک رکوع کیا کہ مجھے نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا۔ میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔''

یہ سن کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم مسکرانے لگے۔

آپ ذرا عمر رسیدہ ہو گئیں تو آپ کو خوف محسوس ہوا، کہیں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم انھیں طلاق نہ دے دیں۔ اس خوف کی بنا پر آپ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ مجھے طلاق نہ دیں، میں اپنی باری عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کو دیتی ہوں۔''

چنانچہ آپ نے اپنی باری سیدہ عائشہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات منظور کر لی۔

آپ بہت عبادت گزار تھیں۔ آپ کے حالات کتابوں میں زیادہ نہیں ملتے۔ اللہ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نبوت کے اعلان سے 5 سال پہلے پیدا ہوئیں۔ آپ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام زینب بنتِ مظعون تھا۔ یہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ خود بھی صحابیہ تھیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی بہن ہیں۔

آپ جوان ہوئیں تو آپ کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ دونوں نے اچھے میاں بیوی کی طرح زندگی بسر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہیں۔ اسی طرح سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ماں باپ کے ساتھ ہی مسلمان ہوگئی تھیں۔ آپ کے شوہر خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان تھے۔ مطلب یہ کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ہوش سنبھالا۔ اس وقت اسلام کا نور پھیلنے لگا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہجرت کا حکم فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے حکم ملنے پر ہجرت شروع کی۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر نے بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

مدینہ منورہ میں ان کی زندگی خوش گوار گزر رہی تھی کہ 2 ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔

حضرت خنیس رضی اللہ عنہ نے بھی اس غزوہ بدر میں شرکت کی۔ میدانِ جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس جنگ میں انھیں کچھ گہرے زخم آئے۔ انھی زخموں سے انھوں نے شہادت پائی۔

بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے غزوہ احد میں بھی شرکت کی تھی اور غزوہ احد میں جو زخم آئے تھے، شہادت ان سے ہوئی تھی۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے لیے فکر مند ہوگئے۔ وہ چاہتے تھے، بیٹی کا نکاح کر دیں۔ انھیں دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک دن بہت غمگین پا کر پوچھا:

''بھائی عثمان! کیوں غمگین ہیں؟''

انھوں نے فرمایا:

''میرے غمگین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو سسرالی رشتہ تھا، وہ ختم ہوگیا ہے۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''اگر آپ پسند کریں تو میں اپنی بیٹی حفصہ کی شادی آپ سے کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

انھوں نے جواب میں کہا:

''میں اس معاملے پر غور کروں گا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اچھی بات ہے! آپ غور کر کے مجھے بتا دیں۔''

چند روز بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو

معلوم ہوا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس رشتے پر تیار نہیں۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے۔ آپ نے ان سے بھی یہی کہا:

''اے ابوبکر! اگر آپ پسند کریں تو میں اپنی بیٹی کا رشتہ آپ سے کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی بات سن کر خاموش ہو گئے۔ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر انھیں رنج محسوس ہوا۔ اس کے بعد خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش ظاہر کی اور اس طرح ان کا نکاح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہو گیا۔

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے عمر! چند دن پہلے تم نے مجھے اپنی بیٹی حفصہ سے نکاح کی پیش کش کی تھی اور میں تمہاری بات سن کر خاموش رہا تھا اور تمہیں میری خاموشی ناگوار گزری تھی۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں کیوں خاموش رہا تھا۔ چند دن پہلے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر مجھ سے کیا تھا اور میں آپ کے راز کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم، حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے تیار تھا۔ (بخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو انکار کیا تھا، وہ اس وجہ سے تھا کہ ان دنوں ان کی خواہش آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دوسری بیٹی سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی تھی۔ ورنہ وہ انکار نہ کرتے۔ اس طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہو گیا۔ یہ نکاح 2 ہجری میں ہوا۔ ایک روایت 3 ہجری کی

بھی ہے۔

نکاح کے بعد حفصہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر میں رہنے لگیں۔ آپ کی ازدواجی زندگی بہت خوش گوار تھی۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، اس لیے مزاج میں قدرے تیزی تھی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بار انھیں رجعی طلاق (ایک قسم کی ہلکی طلاق) دے دی، لیکن دوسرے ہی دن جبرئیل علیہ السلام آ گئے۔ انھوں نے اللہ کا یہ پیغام آپ کو پہنچایا۔

''اے اللہ کے رسول! عمر پر شفقت فرماتے ہوئے حفصہ کو اپنے نکاح ہی میں رکھیں۔ یہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی ہیں، راتوں کو بہت نماز پڑھنے والی ہیں اور یہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوں گی۔''

چنانچہ اللہ کے حکم کے مطابق آپ نے طلاق واپس لے لی۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا اتنا مرتبہ تھا۔

آپ نے شعبان 45 ہجری میں وفات پائی۔ وہ زمانہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ گورنرِ مدینہ مروان بن حکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے دو صاحب زادوں عاصم رحمہ اللہ، سالم رحمہ اللہ، عبداللہ رحمہ اللہ اور حمزہ رحمہ اللہ نے آپ کو قبر میں اتارا۔

بعض روایات میں وفات 41 ہجری میں بھی آئی ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 63 سال کے قریب تھی۔

وفات کے وقت آپ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت فرمائی۔ اس وصیت میں آپ نے اپنی زمین صدقہ کر دی۔ یہ زمین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نگرانی میں دی تھی۔

آپ نہایت عالم فاضل اور علم وکمال کی مالک تھیں۔ آپ نے تقریباً 60 احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کے خاندان کے سات آدمیوں نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ ان کے نام یہ ہیں، آپ کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، چچازاد اور شوہر خنیس، تین ماموں عثمان بن مظعون، عبداللہ بن مظعون اور قدامہ بن مظعون اور ان کے ماموں کے بیٹے سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم۔

آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آپ بہت روزہ دار اور راتوں کو جاگنے والی تھیں۔ یہاں تک کہ انتقال کے وقت بھی روزے سے تھیں۔

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

سیدہ زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام زینب تھا۔ والد کا نام خزیمہ بن حارث تھا۔ آپ بہت رحم دل تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کو ام المساکین کہا جاتا تھا، یعنی مسکینوں کی ماں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نکاح میں آنے سے پہلے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ 3 ہجری میں غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ سے نکاح فرمالیا۔ آپ بہت رحم دل اور سخی تھیں۔ غریبوں اور مسکینوں کو کھلے دل سے کھانا کھلاتی تھیں۔ اسلام لانے سے پہلے بھی آپ کا یہی معمول تھا۔ آپ کا انتقال نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی ہی میں 30 سال کی عمر میں ہوا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ آپ صرف چند ماہ ہی گزار سکیں۔ آپ کی وفات ربیع الآخر کے مہینے کی آخری تاریخوں میں ہجرت سے تین سال 3 ماہ بعد ہوئی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ سب سے کم مدت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رہیں۔

تاریخ کی کتابوں میں آپ کے زیادہ حالات نہیں ملتے۔ اللہ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام ہند تھا۔ امِ سلمہ آپ کی کنیت ہے۔ آپ کا تعلق قریش کے خاندان بنو مخزوم سے تھا۔

آپ کے والد ابو امیہ مکہ مکرمہ کے بہت بڑے سخی آدمی تھے۔ تاجر تھے اور بہت دولت مند تھے۔ اس لحاظ سے سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے بہت خوش حال گھرانے میں پرورش پائی تھی۔

آپ کا پہلا نکاح عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا۔ وہ ابوسلمہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ ان کی والدہ کا نام برہ بنتِ عبدالمطلب تھا۔ اس لحاظ سے وہ رشتے میں آپ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے آپ کے ہاں چار بچے پیدا ہوئے۔

آپ اسلام کی ابتدا ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ اسلام لے آئی تھیں۔ گویا دونوں میاں بیوی سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل ہیں۔ دونوں نے حبشہ کی، دونوں ہجرتیں کیں، بلکہ ان دونوں نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ کچھ عرصہ حبشہ میں گزار کر دونوں میاں بیوی واپس مکہ آ گئے۔ وہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے مکہ پہنچے تو قریشِ مکہ نے آپ پر ظلم شروع کر دیا۔ ان کے ظلم سے تنگ آ کر آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ مدینہ پہنچے تو وہ محرم کی دس تاریخ تھی۔ عمرو بن عوف کے خاندان نے انھیں اپنا مہمان بنایا۔ امِ سلمٰی رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت نہیں کر سکی تھیں۔ انھوں نے بعد میں ہجرت کی۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

ابوسلمہ اپنی بیوی امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مکہ معظمہ سے نکلے، تاکہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر سکیں، لیکن امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر والے ان کے راستے میں آ گئے اور بولے:

''تم اکیلے مدینہ منورہ جا سکتے ہو، ہماری بیٹی کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔''

یہ لوگ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی واپس لے گئے۔ اس طرح ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اکیلے ہجرت کی۔ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں اس وقت ان کا دودھ پیتا بچہ سلمہ تھا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والے اپنے بچے کو امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے چھین کر لے گئے۔ اب ایک طرف وہ شوہر سے جدا کر دی گئیں تو دوسری طرف اپنے بچے سے محروم کر دی گئیں۔ ان پر تو گویا مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ گھر سے باہر صحرا میں نکل جاتیں اور رویا کرتیں۔ کئی دن روتی رہیں، پھر ایک شخص کو ان پر ترس آیا۔ اس نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا:

''تم اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو۔ اس کا بچہ اسے دے دو اور اسے مدینہ اپنے شوہر کے پاس جانے دو۔''

آخر سب لوگوں نے یہ بات مان لی۔ اب یہ اپنے بچے کو لے کر اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ کی طرف چل پڑیں۔ ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔ بالکل تنہا تھیں۔ تنعیم کے مقام پر پہنچیں تو انھیں حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ملے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے

تھے۔ خانہ کعبہ کے چابی بردار تھے۔ انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا، کیونکہ ان کے خاوند ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ انھوں نے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے۔''

ام سلمہ بولیں: ''مدینہ منورہ کا۔''

انھوں نے پوچھا: ''کوئی ساتھ ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ''اللہ ساتھ ہے یا یہ بچہ۔''

اس پر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ نہیں ہوسکتا۔ تم تنہا نہیں جاسکتیں۔''

یہ کہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ راستے میں کہیں رفع حاجت وغیرہ کے لیے ٹھہرنا پڑتا تو عثمان اونٹ کو بٹھا کر دور کسی درخت کی اوٹ میں چلے جاتے۔ تب میں نیچے اترتی۔ روانگی کا وقت ہوتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر پھر دور چلے جاتے اور مجھ سے کہتے: ''سوار ہو جاؤ۔''

آپ فرماتی ہیں: ''میں نے پوری زندگی میں اتنا شریف انسان نہیں دیکھا۔''

مختصر یہ کہ مختلف منزلوں پر قیام کرتے ہم مدینہ پہنچے۔ جب قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولے:

''اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ وہ یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ادھر روانہ ہوگئیں اور یہ واپس مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قبا کے لوگوں نے جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو ان سے پوچھا: ''آپ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں۔''

اس پر انھوں نے بتایا: ''میں ام سلمہ ہوں ابی امیہ کی بیٹی۔''

ابی امّیہ چونکہ بہت مشہور آدمی تھے۔ بہت دولت مند تھے۔ بہت سخی تھے۔اس لیے لوگوں کو یقین نہ آیا کہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی یوں اکیلی سفر کر کے مکہ سے مدینہ آئی ہیں۔ اس زمانے میں شرفاء کی خواتین اس طرح باہر نہیں نکلا کرتی تھیں، بڑے لوگ سفر میں کسی کو ساتھ ضرور بھیجا کرتے تھے اور اس کا تمام خرچ بھی ادا کرتے تھے۔ جب کہ سیدہ امِ سلمہ تنہا آئی تھیں۔اسی لیے لوگ حیران تھے۔ کافی دن بعد انھیں یقین آیا اور جب سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ کس کی بیٹی ہیں تو لوگ انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

اب دونوں میاں بیوی اپنے بچے کے ساتھ خوش وخرم زندگی بسر کرنے لگے۔ 2 ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس غزوے میں بھرپور حصہ لیا۔ پھر 3 ہجری میں غزوہ احد پیش آیا۔اس غزوے میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بازو میں ایک تیر لگا۔ اس سے آپ ایک ماہ زیرِ علاج رہے۔ایک ماہ بعد زخم ظاہر میں بھر گیا، لیکن اس کا زہر اندر پھیلتا چلا گیا۔

انھی دنوں انھیں ایک مہم پر بھیجا گیا۔ مسلمانوں کے خلاف کچھ لوگ قطن پہاڑ کے آس پاس جمع ہو رہے تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ اطلاع پا کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو آدمی دے کر روانہ فرمایا۔آپ نے انھیں حکم دیا:

''روانہ ہو جاؤ، یہاں تک کہ بنو اسد کی سرزمین میں پہنچ کر ان کا شیرازہ بکھیر دو، اس سے پہلے کہ وہ وہاں جمع ہو کر ایک طاقت بن جائیں۔''

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اس مہم سے کامیاب لوٹے۔ آپ نے نہ صرف دشمن کو منتشر کر دیا، بلکہ ان کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں بڑی تعداد میں ان سے چھین لائے۔اس مہم کے سلسلے میں آپ 39 دن مدینہ طیبہ سے باہر رہے۔ جب آپ واپس آئے تو پرانا زخم پھر سے ہرا ہو گیا اور آخر ایک ماہ بیمار رہ کر آپ انتقال کر گئے۔ جب آپ پر نزع کی حالت

طاری تھی تو اس وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے۔ ادھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اندر داخل ہوئے، اُدھر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر دیں اور فرمایا:

”انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی دونوں آنکھیں اسے دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں۔“

اس وقت سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ کہے: ”ہائے! پردیس میں کیسی موت آئی۔“

رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ”صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور کہو، اے اللہ ان سے بہتر عطا کر۔“

اس کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس آئے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا، آپ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام لے کر آئے۔ آپ نے قبول فرمایا۔

امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں:

”میں سوچا کرتی تھی کہ بھلا ابوسلمہ سے بہتر کون شوہر ہو سکتا ہے۔ جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے نکاح کا پیغام ملا تو اس وقت میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بہتر شوہر عطا فرمایا ہے۔“

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح شوال 4 ہجری کی آخری تاریخوں میں ہوا۔ سیدہ امِ سلمہ سرکارِ دو عالم کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ آپ

کے ایک غلام سفینہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے انھیں اس شرط پر آزاد کر دیا تھا کہ جب تک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم زندہ ہیں، آپ کی خدمت کرنا تمہارے لیے لازم ہے۔

نکاح کے بعد سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات تک آپ ساتھ رہیں۔ سفر میں بھی آپ اکثر ساتھ ہوتیں۔ 5 ہجری میں پردے کی آیت نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ازواجِ مطہرات بعض دور کے رشتے داروں کے سامنے آجایا کرتی تھیں۔ اب خاص خاص رشتے داروں کے علاوہ ہر ایک سے پردے کا حکم دیا گیا۔

اس بارے میں ایک روایت یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا صحابی تھے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے ازواجِ مطہرات کے حجروں میں آجاتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد جب وہ آئے تو اس وقت حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا وہاں موجود تھیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان دونوں سے فرمایا:

''ان سے پردہ کرو۔''

انھوں نے کہا: ''اللہ کے رسول! یہ تو نابینا ہیں۔''

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''یہ تو نابینا ہیں، لیکن تم تو نابینا نہیں ہو۔ تم تو انھیں دیکھ رہی ہو۔''

6 ہجری کو آپ عمرے کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ تقریباً چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تھے۔ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہیں مکہ کے مشرک آگئے۔ یہاں کفار سے معاہدہ ہوا۔ اس معاملے کو صلح حدیبیہ کہا گیا۔ اس معاہدے کی شرائط ظاہر میں مسلمانوں کے لیے بہت سخت تھیں۔ اس وجہ سے مسلمان بہت غمگین تھے۔ معاہدے کی رو سے اب سب لوگوں کو عمرہ کیے بغیر واپس لوٹنا تھا۔ اس لیے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم فرمایا۔ مسلمان اس قدر غم زدہ تھے کہ کسی نے بھی

ایسا نہ کیا۔اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بہت رنج محسوس ہوا اور آپ اپنے خیمہ میں تشریف لائے۔وہاں امِ سلمہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بات ان سے فرمائی۔اس پر حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''مسلمانوں کو یہ صلح بہت ناگوار گزری ہے۔اس لیے وہ بہت رنجیدہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔آپ کسی سے کچھ نہ کہیں اور باہر نکل کر قربانی کر کے سر منڈ والیں۔یہ سب خود بخود آپ کی پیروی کریں گے۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے مشورے پر عمل کیا۔جونہی آپ نے قربانی کی، سب نے قربانی شروع کر دی اور سر منڈ وا کر احرام اتار دیے۔اس وقت ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا۔ایک دوسرے کی حجامت بنانے کی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔(بخاری)

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا بہت بہترین مشورہ دینے والی تھیں۔ساتھ ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی فطرت کا اندازہ لگانے میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔

آپ غزوہ خیبر میں بھی شریک تھیں۔خیبر کے قلعے کے سردار مرحب کے دانتوں پر جب تلوار لگی تو آپ رضی اللہ عنہا نے اس کی آواز سنی تھی۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آخری ایام میں سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا برابر آپ سے ملنے کے لیے آتی رہیں۔ایک دن حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا اس صدمے سے چیخ پڑیں۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا:

''یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔''

ایک روز مرض میں زیادہ شدت پیدا ہوگئی۔ازواجِ مطہرات نے دوا پلانے کی

کوشش کی۔ آپ اس وقت دوا پینا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا پینے سے انکار کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ پر غشی کی حالت طاری ہوگئی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے غشی کی حالت میں دوا آپ کے منہ میں ڈالی۔

بیماری کے انھی دنوں میں ایک دن سیدہ ام سلمہ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ کے گرجوں میں تصاویر کا ذکر کیا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حبشہ سے ہو کر آئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر سن کر فرمایا:

''اللہ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے، ان لوگوں میں جب کوئی مر جاتا ہے تو وہ اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کر دیتے تھے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔'' (بخاری)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 59 ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔ ایک روایت کے مطابق 60 ہجری میں یزید کے زمانے میں ہوا۔ وفات کے وقت سیدہ کی عمر 84 سال تھی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

آپ کے ہاں پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی، ان کے نام سلمہ، عمر، درہ اور زینب ہیں۔ سلمہ سب سے بڑے تھے۔ ان سب کی پرورش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

آپ رضی اللہ عنہا بہت عالمہ فاضلہ تھیں۔ آپ سے بہت سی احادیث روایت ہیں۔ صحابہ کرام ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ بہت سے تابعین نے بھی آپ سے علم حاصل کیا۔ آپ قرآن بہت اچھا پڑھتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجے میں پڑھا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرأت کیا کرتے تھے؟''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''ایک ایک آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔''

پھر خود اسی طرح پڑھ کر سنایا۔

حدیث میں بھی آپ کا خاص مقام تھا۔ آپ سے 387 احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپ کو احادیث سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک روز بال گندھوا رہی تھیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف لے آئے۔ آپ کی زبانِ مبارک سے ابھی صرف اتنا نکلا تھا:

''اے لوگو!''

اسی وقت آپ رضی اللہ عنہا نے بال گوندھنے والی سے فرمایا:

''بال باندھ دو۔''

اس نے کہا: ''اتنی کیا جلدی ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''کیا ہم لوگوں میں شامل نہیں۔''

اس کے بعد خود بال باندھ کر کھڑی ہوگئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔

آپ رضی اللہ عنہا ہر وقت اجر اور ثواب کی تلاش میں رہتی تھیں۔ ہر ماہ تین روزے رکھتی تھیں۔ ایک روز آپ نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا:

''اللہ کے رسول! ابوسلمہ سے میرے جو بچے ہیں، میں ان پر خرچ کرتی ہوں اور ان کی اچھے طریقے سے پرورش کرتی ہوں، کیا مجھے ان کی پرورش پر ثواب ملے گا۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! جو کچھ تو ان پر خرچ کرے گی، تجھے اس پر اجر ملے گا۔''

ایک روز حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے۔ آپ

نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ایک ٹانگ پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دوسری ٹانگ پر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو درمیان میں بٹھایا ہوا تھا۔ ایسے میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''اے گھر والو! تم پر اللہ کی خاص رحمت اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ بے شک اللہ تعریف کے لائق اور بڑی شان والا ہے۔''

امِ سلمہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر رو پڑیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا: ''کیا بات ہے، تم کیوں رو پڑیں؟''

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ نے ان کے لیے یہ الفاظ فرمائے، مجھے اور میری بیٹی کو چھوڑ دیا۔''

اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''تم اور تمہاری بیٹی دونوں اہلِ بیت میں سے ہو۔'' (المعجم الکبیر 281/24)

ایک روز امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی۔ سجدے کی جگہ غبار آلود تھی۔ وہ اپنی پیشانی سے گرد جھاڑنے لگے۔ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا:

''ایسا نہ کرو، یہ فعل حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عمل کے خلاف ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ ہاتھوں کو حرکت نہ دو۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔

آپ رضی اللہ عنہا بہت فیاض تھیں۔ ایک روز چند حاجت مند آپ کے گھر آئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ انھوں نے گڑگڑا کر سوال کیا۔ اس وقت وہاں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ آپ نے ان فقرا کو ڈانٹا۔ اس پر سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''ہمیں اس کا حکم نہیں۔''

پھر خادمہ سے فرمایا: ''انھیں کچھ دے کر رخصت کرو۔ گھر میں کچھ نہ ہو تو ایک دو چھوہارے ہی دے کر رخصت کرو۔''

آپ کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بہت محبت تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بال تبرک کے طور پر رکھ لیے تھے۔ لوگوں کو ان کی زیارت کراتی رہتی تھیں۔ (مسند احمد 301/6)

ایک روز آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ ایسے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آئے۔ وہ آپ سے باتیں کرتے رہے۔ جب وہ چلے گئے تو آپ نے سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

''جانتی ہو! یہ کون تھے۔''

امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''یہ دحیہ تھے۔'' یعنی ان صحابی کا نام لیا، لیکن جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں سے اس واقعے کا ذکر کیا تب انھیں پتا چلا، وہ حضرت جبرئیل تھے۔ مطلب یہ آپ کے گھر بھی جبرئیل امین آئے تھے۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو آپ سے بہت محبت تھی۔ اللہ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا

آپ کا نام زینب تھا۔ والد کا نام جحش بن رأب اور والدہ کا نام امیمہ تھا۔ یہ امیمہ عبدالمطلب کی صاحب زادی تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت زینب رضی اللہ عنھا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کا پہلا نام برہ تھا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تبدیل کر کے زینب رکھا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنھا کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا آپس میں اتفاق نہ ہو سکا۔ اس لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ عدت پوری ہونے کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زینب رضی اللہ عنھا کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس پیغام کے جواب میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

’’میں اس بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک کہ میں اپنے پروردگار سے مشورہ نہ کرلوں۔‘‘

اس جملے کا مطلب یہ تھا کہ جب تک میں استخارہ نہ کرلوں، کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے آسمان پر کر دیا۔ آسمان پر نکاح کر دیے جانے کی اطلاع وحی کے ذریعے کی گئی اور آیت نازل ہوئی۔

اس کا ذکر حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا فخر سے فرمایا کرتی تھیں، آیت کا نازل ہونا تھا کہ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں تشریف لے جانے سے پہلے آپ نے انھیں یہ خبر پہنچادی تھی۔ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنھا کو یہ خبر پہنچی تو آپ اسی وقت سجدے میں گر گئیں۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے سیدہ سے دریافت فرمایا: ''آپ کا نام کیا ہے؟''

سیدہ نے جواب دیا: ''برّہ۔''

آپ نے ارشاد فرمایا: ''نہیں بلکہ آج سے آپ کا نام زینب ہے۔''

زمین پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنھا سے نکاح 5 ہجری کو فرمایا۔ آپ کا مہر چار سو درہم میں مقرر ہوا۔ آپ نے دعوتِ ولیمہ کا خاص اہتمام فرمایا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کسی نکاح میں ولیمے میں اتنا اہتمام نہیں فرمایا، جتنا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنھا کے ساتھ نکاح میں فرمایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا نے آپ کو مبارک باد دی۔ پھر آپ تمام ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور سب کو سلام کیا۔ سبھی نے آپ کو مبارک باد دی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے مالیدہ تیار کیا اور ایک تھال میں رکھ کر ان سے فرمایا: ''انس! یہ سرکارِ دو عالم کی خدمت میں لے جاؤ۔ آپ سے عرض کرنا کہ یہ میری والدہ نے بھیجا ہے اور وہ آپ کو سلام کہتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول! یہ ہماری طرف سے ایک قلیل سا ہدیہ ہے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ رشتے میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خالہ تھیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ وہ مالیدہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنی

والدہ کا سلام عرض کیا اور ان کے الفاظ بھی دہرائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جاؤ! فلاں فلاں کو بلالاؤ اور جو آدمی بھی راستے میں ملے، اسے بھی بلالاؤ۔'' آپ نے کچھ لوگوں کے نام بھی لیے، چنانچہ میں نے وہی کیا جیسا کہ آپ نے حکم فرمایا تھا۔ اس طرح سب لوگ آ گئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ وہ تقریباً 300 آدمی تھے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انس! وہ طشت لاؤ۔''

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ تھال لے آئے تو آپ نے فرمایا:

''دس دس آدمیوں کا حلقہ بنالو اور سب اپنے آگے سے کھاؤ۔''

ان حضرات نے ہدایت کے مطابق کھانا شروع کیا۔ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ جب سب کھا کر فارغ ہو گئے تو طشت میں کھانا اسی طرح موجود تھا، بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب سب کھا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔''

''اے انس! اب اس طشت کو اٹھالو۔''

جب میں نے طشت کو اٹھایا تو میں اندازہ نہ لگا سکا کہ جب میں نے اس طشت کو سب کے سامنے رکھا تھا، اس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا جس وقت اٹھایا، اس وقت زیادہ تھا۔

اسی دعوتِ ولیمہ میں آیت حجاب یعنی پردے کی آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ نے دروازے پر پردہ لٹکا لیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی۔ یہ واقعہ ذی قعدہ 5 ہجری کا ہے۔ اس وقت سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنھا کی عمر 35 سال تھی۔

اس نکاح کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور نکاح کی

نہیں ہیں۔

ایک یہ کہ عرب میں منہ بولا بیٹا اصل بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات ختم ہوگئی، کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا تو مشرکین نے باتیں بنانا شروع کیں کہ لو جی، مسلمانوں کے رسول نے تو اپنے بیٹے زید کی طلاق یافتہ بیوی سے نکاح کرلیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر (یعنی نبوت کے سلسلے کو ختم کردینے والے) ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (سورۃ الاحزاب:40)

اس حکم سے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں، نہ اس حکم میں شامل ہے کہ بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام ہے۔

اس نکاح کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آقا اور غلام کے درمیان صدیوں سے حائل معاشرتی فاصلے کم ہوگئے، کیوں کہ اس سے پہلے لوگ اپنے غلام کی مطلقہ بیوی سے نکاح کو بُرا سمجھتے تھے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نکاح کے موقعے پر پردے کا حکم نازل ہوا۔ نمبر چار یہ کہ نکاح کے بارے میں وحی نازل ہوئی اور پانچویں بڑی خصوصیت یہ نکاح آسمانوں پر ہوا۔

حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا دوسری ازواج سے اسی بنیاد پر فخر کیا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے بارے میں فرماتی ہیں:

''زینب بنتِ جحش مرتبے میں میرا مقابلہ کرتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں۔ میں نے ان سے زیادہ کسی عورت کو دین دار، اللہ سے ڈرنے والی، سب سے زیادہ سچ بولنے والی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی، سب سے

زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھا اور ان سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ جل شانہ، کا قرب حاصل کرنے والی عورت نہیں دیکھی۔" (مسلم، اسد الغابہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کا ان صفات کی وجہ سے بہت لحاظ کرتے تھے۔ آپ کی خاطر داری فرماتے تھے۔

اپنا کفن بھی اپنی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ چنانچہ جب آپ کے انتقال کا وقت آیا تو فرمایا:

"میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی میرے لیے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا، دوسرا صدقہ کر دینا۔"

اور یہی ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے خوشبودار کفن بھجوایا۔ آپ کو وہی کفن دیا گیا اور جو کفن انھوں نے خود تیار کروا رکھا تھا، اسے صدقہ کر دیا گیا۔ (طبقات 115/8)

آپ کا انتقال 20 ہجری میں ہوا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر 53 سال تھی۔ وہ زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ اسی لیے نمازِ جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت اسامہ بن زید، حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش اور حضرت عبداللہ بن ابی احمد بن جحش رضی اللہ عنہم نے آپ کو قبر میں اتارا۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (بخاری)

آپ کی وفات پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"افسوس! آج ایسی عورت گزر گئی جو بہت پسندیدہ اوصاف والی عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کی غم خوار تھی۔"

انتقال کے وقت آپ نے ایک مکان چھوڑا تھا۔ خلیفہ یزید بن عبدالملک نے اپنے زمانے میں 50 ہزار درہم میں خرید کر اسے مسجدِ نبوی میں شامل کر دیا۔ (طبری)

آپ سے 111 احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپ بہت عبادت گزار تھیں۔ تہجد گزار اور بہت روزے رکھنے والی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں بہت سا مال بھیجا۔ آپ نے اس مال کو گھر کے صحن میں ڈھیر کرنے کا حکم دیا اور خادمہ برزہ بنتِ رافع رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اس مال پر ایک کپڑا ڈال دو اور اس کے نیچے ہاتھ لے جا کر جتنا مال ہاتھ میں آتا ہے، وہ فلاں، فلاں اور فلاں کو دے آؤ۔ فلاں یتیم کو دے آؤ اور فلاں بیوہ کو دے آؤ۔''

اس طرح یہ مال برابر تقسیم ہوتا رہا۔ آخر جب کپڑے کے نیچے بہت تھوڑا سا مال رہ گیا تو برزہ بنتِ رافع رضی اللہ عنہا نے کہا:

''اے ام المومنین! اس مال میں آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔''

آپ نے ان سے فرمایا:

''اچھا! جو بچ رہا ہے، وہ تم لے لو۔''

برزہ رضی اللہ عنہا نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو صرف 85 درہم باقی تھے۔ سارا مال تقسیم ہونے کے بعد حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

''اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھے نہ پائے، یہ مال بہت بڑا فتنہ ہے۔'' (الاصابہ)

چنانچہ سال گزرنے نہیں پایا تھا کہ آپ انتقال کر گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

آپ کا ابتدائی نام برہ تھا۔ والد کا نام حارث بن ابی فرار تھا۔ آپ کے والد قبیلہ بن مصطلق کے سردار تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نام تبدیل فرمایا اور جویریہ رکھا۔

آپ کا پہلا نکاح اپنے قبیلے کے ایک شخص مسافع بن صفوان سے ہوا تھا۔ مسافع اور آپ کا باپ حارث دونوں اسلام دشمن تھے۔ مسافع کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

آپ کے والد حارث نے قریش کے اشارے پر مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ اطلاع ملی کہ بنی مصطلق کے سردار حارث نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بہت سی فوج جمع کر لی ہے۔ اطلاع ملنے پر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انھوں نے واپس آکر بتایا کہ خبر درست ہے۔ اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہ کرام کو لے کر قبیلہ بنی مصطلق کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں بہت سے منافق بھی لشکر میں شامل ہو گئے۔ یہ لوگ مالِ غنیمت کے لالچ میں شامل ہوئے تھے۔

اس سے پہلے اتنی تعداد میں منافق کبھی اسلامی لشکر میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منورہ میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ازواج میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا۔

یہ لشکر 2 شعبان 5 ہجری کو روانہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے اچانک دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت وہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، حملے کی تاب نہ لاسکے۔ ان کے دس مرد قتل ہوئے، باقی مرد، عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے گئے۔ مال اور اسباب لوٹ لیا گیا۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ دو سو گھرانے قید ہوئے۔ انھی قیدیوں میں سردار حارث کی بیٹی برّہ بھی تھیں۔ یعنی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا۔

جب مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا تو سیدہ جویریہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''آپ مجھ سے مکاتبت کرلیں۔''

مطلب یہ کہ کوئی رقم طے کرلیں۔ میں وہ ادا کردوں تو مجھے آزاد کردیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے 4 اوقیہ سونے پر مکاتبت کرلی۔ آپ کے پاس اتنا سونا نہیں تھا۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول! آپ کو معلوم ہے، میں سردار بن مصطلق کی بیٹی برّہ ہوں۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں قیدی ہوں۔ تقسیم کے مطابق میں ثابت بن قیس کے حصے میں آئی ہوں۔ میں نے ان سے مکاتبت طے کرلی ہے، اس سلسلے میں میں آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔ لوگوں سے کہیں میرے لیے چندہ جمع کردیں۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم پسند کرو تو میں تمہیں اس سے بہتر بات بتادوں اور وہ یہ کہ تمہاری طرف سے مکاتبت میں ادا کردوں اور تمہیں آزاد کرکے تم سے نکاح کرلوں۔''

یہ سن کر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

''اللہ کے رسول! مجھے یہ بات منظور ہے۔''

اس بات کے طے ہونے کے بعد سیدہ کا باپ حارث بھی ان کے سلسلے میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا:

''میں قبیلہ بنی مصطلق کا سردار ہوں۔ اس لیے میری بیٹی کنیز بن کر نہیں رہ سکتی۔ آپ اسے آزاد فرمادیں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں اس کا فیصلہ تمہاری بیٹی پر چھوڑ دوں۔ تم جا کر اس سے خود پوچھو۔''

حارث، سیدہ جویریہ کے پاس آئے اور یہ بات آپ کو بتائی۔ اس پر آپ نے فرمایا:

''میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔''

حارث بیٹی کو چھڑانے کے لیے بہت سے اونٹ ساتھ لائے تھے، لیکن مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے انھوں نے ان میں سے دو خوب صورت اور عمدہ اونٹ ایک گھاٹی میں چھپا دیے تھے، تاکہ واپسی پر وہ ساتھ لے جائیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اونٹوں کے لانے کا ذکر ہوا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا:

''ان میں دو اونٹ فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔''

یہ سنتے ہی حارث پکار اٹھا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، میرے وہ دو اونٹ چھپانے کا کسی کو علم نہیں تھا۔ اللہ ہی نے آپ کو اطلاع دی ہے۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے 4 اوقیہ سونا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو دے کر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرایا اور آپ سے نکاح کرلیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا، کیونکہ اب یہ لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سسرالی رشتے دار بن چکے تھے۔اس طرح ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بنی مصطلق کے گھرانے آزاد ہوئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

''میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنے خاندان کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا جن کی وجہ سے ایک دن میں اتنے گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔''

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حملہ آور ہونے سے تین رات پہلے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ چاند یثرب سے چلا آرہا ہے اور آکر میری گود میں گر گیا ہے۔میں نے یہ بات لوگوں کو بتانا پسند نہیں کی تھی۔یہاں تک کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے۔ جب ہم قیدی بن گئے تو اس وقت مجھے اس خواب کے پورا ہونے کی امید ہو چکی تھی، چنانچہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے آزاد کر کے اپنی ازواج مطہرات میں شامل کر لیا۔

آپ کا انتقال ربیع الاول 50 ہجری میں ہوا۔ایک روایت 56 ہجری کی بھی ہے۔ مدینہ منورہ کے گورنر مروان بن حکم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔انتقال کے وقت آپ کی عمر 65 سال تھی۔ایک اور روایت کے مطابق آپ کی عمر 70 سال تھی۔جس وقت آپ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زوجیت میں آئیں، اس وقت عمر 20 سال تھی۔

آپ سے صرف چند احادیث روایت کی گئی ہیں۔آپ نے بہت زاہدانہ زندگی گزاری۔بہت عبادت گزار تھیں۔ایک صبح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ کو مصلّے پر چھوڑ کر گئے۔دوپہر کے قریب واپس تشریف لائے تو آپ اسی طرح بیٹھی نظر آئیں۔یعنی

اس وقت سے اس وقت تک ذکر میں مشغول رہی تھیں۔ایک جمعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو آپ روزے سے تھیں۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔صبح کا وقت تھا۔میں تسبیح میں مشغول تھی۔پھر آپ دوپہر کے وقت تشریف لائے۔میں اس وقت بھی تسبیح میں مشغول تھی۔مجھے اسی حالت میں بیٹھی پا کر آپ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم صبح سے اسی طرح بیٹھی ہو۔''

میں نے جواب دیا: ''جی ہاں۔''

آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں کچھ ایسے کلمات نہ سکھا دوں جو وزن میں اس تمام تسبیح کے برابر ہوں گے جو تم ابھی پڑھ چکی ہو۔وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان اللّٰہِ عددَ خَلقِہٖ

سبحان اللّٰہِ زِنَۃَ عَرشِہٖ

سبحان اللّٰہِ رِضا نَفْسِہٖ

سبحان اللّٰہِ مِدادَ کَلِماتِہٖ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بہت محبت تھی۔ایک مرتبہ آپ ان کے گھر تشریف لائے اور پوچھا: ''کچھ کھانے کو ہے۔''

آپ نے بتایا: ''میری کنیز کو کسی نے صدقے کا گوشت دیا تھا،وہی رکھا ہے۔''

آپ نے ارشاد فرمایا: ''وہی لے آؤ،کیونکہ صدقہ جسے دیا گیا تھا،اسے پہنچ گیا ہے۔''

تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بہت کم حالات ملتے ہیں۔اللہ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

سیدہ امِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہا

آپ کا نام ہند تھا۔ آپ کے والد کا نام ابی سفیان بن حرب اور والدہ کا نام صفیہ بنتِ ابی عاص تھا۔ یہ صفیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔

بعض مورخوں نے آپ کا نام رملہ بھی لکھا ہے۔ آپ نبوت سے 17 سال پہلے پیدا ہوئیں۔

آپ کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا۔ یہ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا جو غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ سیدہ امِ حبیبہ اسلام کی ابتداہی میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ اسی طرح آپ کا خاوند عبید اللہ بن جحش بھی مسلمان ہوگیا تھا۔ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کرنے والوں میں یہ میاں بیوی بھی شامل تھے۔ حبشہ میں ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام حبیبہ رکھا گیا۔ اس نسبت سے آپ امِ حبیبہ کہلائیں۔ یعنی یہ آپ کی کنیت تھی۔ آپ کا خاوند عبید اللہ کچھ دنوں بعد مرتد ہوگیا۔ اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا، حبیبہ برابر اسلام پر قائم رہیں۔

سیدہ امِ حبیبہ فرماتی ہیں:

''عبید اللہ کے عیسائی ہونے سے پہلے میں نے خواب میں اسے نہایت بری بھیانک شکل میں دیکھا۔ میں بہت گھبرائی۔ صبح ہوئی تو پتا چلا، وہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے اس امید پر اسے یہ خواب سنایا کہ شاید وہ توبہ کرلے، لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ یہاں تک کہ

اسی حالت میں مر گیا۔ چند روز بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھے یا ام المومنین کہہ کر آواز دے رہا ہے۔ میں بہت گھبرائی، پھر جب میری عدت ختم ہوگئی تو یکا یک مجھے نجاشی، شاہِ حبشہ کے ذریعے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نکاح کا پیغام ملا۔ (طبقات ابن سعد 97/8)

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شاہِ حبشہ نجاشی کو جو پیغام بھیجا، اس کے الفاظ یہ تھے:

''ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر انھیں میرے پاس بھیج دو۔''

یہ پیغام ملنے پر نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور آپ کا پیغام دیا۔ آپ یہ پیغام سن کر بہت خوش ہوئیں اور ہاتھوں کے کنگن، پیروں کی پازیب اور انگوٹھیاں وغیرہ سب اتار کر ابرہہ کو دے دیں۔ شام کے وقت نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کو جمع کیا۔ پھر نکاح کا خطبہ پڑھا۔

اس خطبے کے الفاظ یہ تھے:

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسولِ برحق ہیں اور آپ وہی نبی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح امِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان سے کر دوں۔ میں نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے مطابق آپ کا نکاح امِ حبیبہ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔''

نکاح کے بعد لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا: ''ابھی بیٹھیے! حضرات انبیا علیھم السلام کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہیے۔''

اس طرح دعوتِ ولیمہ ہوئی۔ کھانے کے بعد یہ حضرات رخصت ہوئے۔ نجاشی نے اپنی خادمہ کے ذریعے مہر کی رقم امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھجوائی۔ یہ رقم نجاشی کی وہی باندی ابرہہ لے کر گئی۔ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسے پچاس دینار بطور انعام دیے تو اس نے وہ دینار اور پہلے جو زیور آپ کی طرف سے اسے ملے تھے، وہ بھی انھیں واپس کر دیے اور بولی:

''نجاشی نے مجھے ہدایت کی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں اور آپ یقین کریں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروکار بن چکی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے لیے دینِ اسلام کو قبول کر چکی ہوں اور آج بادشاہ نے اپنی بیگمات کو حکم دیا ہے کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو، اس میں سے ضرور آپ کے لیے ہدیہ بھیجیں۔''

دوسرے روز ابرہہ بہت سا عود اور عنبر وغیرہ آپ کے پاس لائی۔ سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی۔''

جب ابرہہ یہ خوشبوئیں لائی تو اس نے امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''میری ایک درخواست ہے، یہ کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں میرا اسلام عرض کر دیں اور میرے بارے میں بتا دیں کہ میں دینِ اسلام قبول کر چکی ہوں۔''

ام المومنین امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب تک میں مدینہ منورہ کے لیے روانہ نہیں ہوگئی، ابرہہ برابر میرے پاس آتی رہیں اور کہتی رہیں، دیکھیے! میری درخواست بھول نہ جایئے گا، چنانچہ جب میں مدینہ منورہ پہنچی تو یہ تمام باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مسکراتے رہے۔ آخر میں جب میں نے ابرہہ کا سلام اور پیغام پہنچایا تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلّم نے فرمایا: ''علیھا السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیرت کے ساتھ حسن صورت سے بھی نوازا تھا۔ آپ کو اسلام اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بہت محبت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خاوند کے مرتد ہونے پر بھی آپ اسلام پر ڈٹی رہیں۔ آپ نے خاوند کے عیسائی ہونے کی کوئی پرواہ نہ کی۔

فتح مکہ سے پہلے حضرت ابوسفیان صلح کی مدت میں اضافے کے لیے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ یعنی ابھی وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ادھر یہ روانہ ہوئے، اُدھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام کو خبر دے دی کہ ابوسفیان مکہ سے صلح کی مدت میں اضافے کے لیے آرہے ہیں۔ یہ صلح حدیبیہ کے مقام پر ہوئی تھی۔

جب ابوسفیان مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے بیٹی سے ملنے کے لیے ان کے گھر آئے۔ اندر داخل ہونے کے بعد آپ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بستر پر بیٹھنے لگے تو ام المومنین امِ حبیبہ رضی اللہ عنھا نے فوراً آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بستر لپیٹ دیا۔ حضرت ابوسفیان دھک سے رہ گئے اور ناراض ہو کر بولے:

''یہ کیا بیٹی! تم نے بستر کیوں لپیٹ دیا۔ تو نے بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا، یا مجھے بستر کے قابل نہیں سمجھا۔''

ام المومنین سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا:

''یہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بستر ہے۔ اس پر ایک مشرک نہیں بیٹھ سکتا جو شرک کی نجاست سے آلودہ ہو۔''

یہ سن کر حضرت ابوسفیان کو غصہ آگیا، بولے:

''اللہ کی قسم! تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی۔''

سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنھا نے جواب دیا:

''میں شر میں نہیں، بلکہ کفر کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں داخل ہوگئی ہوں اور حیرت ہے کہ آپ قریش کے سردار ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔''

ایک اور حدیث سے ان کی دین سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ فرماتی ہیں:

''میں نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ جو شخص دن اور رات میں 12 رکعت نماز نوافل ادا کرے، اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا اور جب سے میں نے یہ سنا، اس وقت سے میں ہمیشہ نوافل پڑھتی ہوں۔ کبھی ان کو ترک نہیں کیا۔

سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنھا نے 44 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وہ ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور تھا، لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا انتقال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے ایک سال بعد یعنی 59 ہجری میں ہوا۔ زیادہ درست بات 44 ہجری والی ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 73 سال تھی۔

وفات کے وقت سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنھا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کو بلا کر کہا:

''مجھ میں اور تم میں وہ تعلقات تھے جو آپس میں سوکنوں کے ہوتے ہیں۔ اللہ ان سب باتوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا نے ان سے فرمایا:

''تم نے مجھے خوش کر دیا، اللہ تمھیں خوش رکھے۔''

آپ نے اسی طرح سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنھا کو بلا کر فرمایا۔

آپ کے ہاں عبیداللہ بن جحش سے دو بچے ہوئے۔ ایک عبداللہ، دوسری حبیبہ، حبیبہ نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی گود میں پرورش پائی تھی۔ اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

ام المومنین سیدہ صفیہ بنتِ حیی رضی اللہ عنہا

آپ کا نام زینب تھا۔ غزوہ خیبر کے موقع پر آپ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حصے میں آئی تھیں۔ عرب میں مالِ غنیمت کے طور پر جو حصہ حکمران یا بادشاہ کو ملتا تھا، اسے صفیہ کہتے تھے۔ اس لیے آپ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔

آپ کے والد کا نام حیی بن اخطب تھا۔ یہ بنونضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام فرہ تھا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنھا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا تھا۔ سلام نے آپ کو طلاق دے دی تو دوسرا نکاح کنانہ بن حقیق سے ہوا۔ یہ کنانہ خیبر کے سردار کا بھتیجا تھا۔ کنانہ خیبر کی لڑائی میں مارا گیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنھا کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ میں مارے گئے۔ خود بھی گرفتار ہوئیں۔ پہلے دو خاوندوں سے آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ تین دن تک ولیمہ کیا اور یہی آپ کا مہر قرار پایا۔

ولیمہ عجب شان سے ہوا۔ چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا گیا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اعلان کر دو کہ جس کے پاس جو کچھ ہے، لے آئے۔''

چنانچہ کوئی کھجور لے آیا، کوئی پنیر اور کوئی ستو اور گھی لایا۔ اس طرح بہت سی

چیزیں دستر خوان پر جمع ہوگئیں۔سب نے مل کر یہ ولیمہ نوش کیا۔اس ولیمے میں گوشت اور روٹی کچھ نہیں تھا۔یہ ولیمہ صہبا کے مقام پر ہوا۔

جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم صہبا کے مقام سے روانہ ہوئے تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کرایا، اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا، یہ اس بات کا اعلان تھا کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین ہیں۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں آئیں تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کے چہرے پر ایک نشان دیکھا، آپ نے پوچھا:

''صفیہ! یہ نشان کیسا ہے۔''

سیدہ نے بتایا: ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آ کر گرا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے زور سے میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور کہا:

''تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔''

یہ اشارہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف تھا، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''خیبر کی لڑائی کے بعد جب میں گرفتار ہوگئی اور مجھے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت آپ سے زیادہ ناپسندیدہ انسان میرے نزدیک کوئی نہیں تھا، کیونکہ میرا باپ، خاوند اور دوسرے رشتے دار قتل ہو چکے تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے فرمایا:

''تمہاری قوم نے ہمارے ساتھ یہ یہ کیا ہے۔''

آپ فرماتی ہیں:

''جب میں آپ کے پاس سے اٹھی تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ محبوب مجھے کوئی نہیں تھا۔''

آپ فرماتی ہیں:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسنِ اخلاق کا مجسمہ کوئی اور نہیں دیکھا۔ آپ رات کے وقت خیبر سے ایک اونٹنی پر سوار ہوئے۔ اس وقت مجھے اونگھ آ رہی تھی۔ آپ مجھے بار بار جگاتے کہ کہیں میں اونٹ سے گر نہ جاؤں۔ آپ فرماتے۔

''اے بنتِ حیی! تھوڑی دیر انتظار کرو، یہاں تک کہ ہم صہبا پہنچ جائیں۔''

آپ جب خیبر سے مدینہ منورہ آئیں تو حارث بن نعمان کے مکان پر اتاری گئیں۔ آپ کے حسن و جمال کی شہرت سن کر انصار کی عورتیں آپ کو دیکھنے کے لیے آئیں۔

آپ چند احادیث کی راوی ہیں۔ دوسری ازواج کی طرح آپ کا گھر بھی علم کا مرکز تھا۔ عورتیں آپ کے پاس مسائل معلوم کرنے کے لیے آیا کرتی تھیں، دوسرے شہروں سے بھی مسائل پوچھنے کے لیے آتی تھیں۔ آپ نہایت عقل مند تھیں، عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ بردباری تو آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ میں برداشت کا بھی بہت مادہ تھا۔

خیبر کی لڑائی کے بعد جب آپ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو آپ کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں، لیکن آپ ان کی طرح بالکل نہیں چیخیں۔ یہاں تک کہ اپنے شوہر کی لاش کو دیکھ کر بھی صبر سے کام لیا۔ آپ کی ایک خادمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ اس نے آپ سے کہا:

''سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں ابھی تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ وہ یومِ سبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ سیدہ صفیہ نے انھیں بتایا:

''جب سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمعے کا دن عطا فرمایا ہے، میں یومِ سبت کو بالکل اچھا نہیں سمجھتی۔ البتہ میں یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں، کیونکہ وہ میرے رشتے دار ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے اس لونڈی کو بلا کر پوچھا:

''تو نے عمر سے میری شکایت کس کے اکسانے پر کی۔''

اس نے جواب دیا:

''شیطان کے اکسانے پر۔''

آپ یہ سن کر پہلے تو خاموش رہیں، پھر فرمایا:

''جاؤ! تم آزاد ہو۔''

آپ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بہت محبت کرتی تھیں۔ جب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طبیعت آخری وقت میں ناساز ہوئی تو آپ نے نہایت حسرت سے کہا:

''کاش! آپ کی بیماری مجھے لگ جاتی۔''

اس پر تمام ازواج نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''صفیہ سچ کہہ رہی ہے۔''

سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی آپ سے بہت محبت تھی۔ آپ ہر موقعے پر آپ کی دلجوئی فرماتے تھے۔

ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ اس سفر میں دوسری ازواجِ مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ ایک صحابیہ کے پاس دو اونٹ تھے۔ اس لیے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا:

''تم صفیہ کو ایک اونٹ دے دو۔''

انھوں نے نہ دیا تو آپ دو ماہ تک ان صحابیہ سے ناراض رہے۔

حج کے سفر میں ازواجِ مطہرات بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ راستے میں ایک جگہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا۔ اس طرح آپ سب سے پیچھے رہ گئیں اور رونے لگیں۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پتا چلا تو آپ کے پاس تشریف لائے۔ اپنی چادر مبارک سے آپ کے آنسو پونچھے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم آنسو پونچھتے جاتے تھے اور آپ اور زیادہ روئے جاتی تھیں۔ فرماتی تھیں: ''نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم مجھے رونے سے منع فرماتے رہے، لیکن جب میرا رونا بند نہ ہوا، تب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ذرا سختی سے رونے سے منع فرمایا۔''

آپ چونکہ یہودیوں کے سردار کی بیٹی تھیں، اس لیے شروع ہی سے اپنے چاروں طرف دولت کے انبار دیکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت میں فیاضی عطا فرمائی تھی۔ جب آپ ام المومنین بن کر مدینہ منورہ میں آئیں تو آپ کے پاس سونے کے زیورات تھے۔ آپ نے ان میں سے کچھ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور کچھ دوسری عورتوں کو دے دیے۔

ایک رمضان المبارک میں جب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اعتکاف میں تھے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے کے لیے مسجد میں آئیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے کچھ دیر تک آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بات کی۔ پھر اٹھ کر واپس جانے لگیں تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم انھیں رخصت کرنے دروازے تک تشریف لائے، یہاں تک کہ آپ مسجد کے دروازے تک آ گئے۔ ایسے میں انصار کے دو آدمی پاس سے گزرے۔ انھوں نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سلام کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''ذرا ٹھہرا اور جان لو! یہ میری بیوی صفیہ بنتِ حیی ہے۔'' (مطلب یہ تھا کہ کہیں تم کچھ اور نہ سمجھ لینا کہ پیغمبر رات کی تاریکی میں معلوم نہیں کس عورت کے ساتھ کھڑے ہیں)

ان دونوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم اور بھلا آپ کے بارے میں ایسا خیال کریں گے۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے ڈر ہوا، کہیں وہ تم دونوں

کے دلوں میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دے۔اس لیے میں نے وضاحت کردی۔''

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے گھیر لیا تو اس زمانے میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی بہت مدد کی تھی۔ان ظالموں نے کھانا اور پانی تک بند کر دیا تھا، یعنی باہر سے کوئی چیز اندر نہیں جانے دیتے تھے۔اس حالت میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا خچر پر سوار ہو کر آپ کی طرف روانہ ہوئیں۔آپ کے غلام کنانہ آپ کے ساتھ تھے۔بلوائیوں میں سے مالک اشتر آپ کے راستے میں آ گیا اور آپ کے خچر کے منہ پر مارنے لگا۔اس طرح آپ مجبوراً واپس لوٹ گئیں۔پھر آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانا اور پانی پہنچایا۔

آپ بہت سلیقہ شعار تھیں۔کھانا بہت عمدہ پکاتی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب دوسری ازواجِ مطہرات کے ہاں باری ہوتی تھی تو کھانا پکا کر اس گھر میں بھی بھیجا کرتی تھیں۔ آپ نے رمضان 50 ہجری میں وفات پائی۔جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔اس وقت آپ کی عمر 60 سال تھی۔

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔آمین۔

ام المومنین سیدہ میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

آپ کا بچپن کا نام برہ تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے برہ سے میمونہ تجویز فرمایا۔ آپ کے والد کا نام حزن بن بجیر اور والدہ کا نام ہند بنتِ عوف تھا۔

سیدہ میمونہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حقیقی خالہ تھیں، کیونکہ آپ کی بڑی بہن لبابہ کبریٰ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ چھوٹی بہن لبابہ صغریٰ ولید بن مغیرہ کی بیوی تھیں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں تو اس لحاظ سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان دونوں صحابیوں کی خالہ تھیں۔

آپ کا پہلا نکاح جاہلیت کے دور میں مسعود بن عمرو سے ہوا تھا، لیکن کسی وجہ سے دونوں میں علیحدگی ہوگئی تھی۔ اس کے بعد آپ کا نکاح ابورھم سے ہوا۔ ابورھم کا انتقال ہوگیا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ سے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح سات ہجری میں ہوا۔ اس وقت آپ عمرے کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ واپسی کے سفر میں سرف کے مقام پر یہ نکاح فرمایا۔

آنحضرت کی یہ وہ زوجہ ہیں جن کا انتقال سب سے آخر میں ہوا۔ آپ کا نکاح مقام سرف میں ہوا تھا، آپ کی وفات بھی اسی مقام پر ہوئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے بھانجے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

آپ دینی مسائل کی بہت بڑی عالمہ تھیں۔ایک عورت بیمار ہوگئی۔اس نے منت مانی کہ اگر وہ شفایاب ہوگئی تو بیت المقدس جا کر نماز ادا کرے گی۔کچھ دنوں بعد وہ صحت مند ہوگئی اور اپنی منت کے مطابق بیت المقدس میں جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔وہاں کے لیے رخصت ہونے سے پہلے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں۔آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس سے فرمایا:

''تم یہیں مسجدِ نبوی میں جا کر نماز پڑھ لو، کیونکہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔''

آپ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکامات کی تعمیل کے لیے خود کو ہر وقت تیار رکھا کرتی تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی ہیں۔''

آپ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ایک روز ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کو بڑے ثواب کی خوش خبری سنائی۔

آپ کبھی کبھی قرض بھی لے لیتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ قرض لیا۔رقم کچھ زیادہ تھی۔ کسی نے آپ سے پوچھا:

''آپ یہ قرض کیسے ادا کریں گی۔''

آپ نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ خود اس کا قرض ادا فرما دیتے ہیں۔''

اللہ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام ماریہ تھا اور آپ کے والد کا نام شمعون تھا۔ مصر کے بادشاہ مقوقس نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا... اور یہ ایسے ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے عرب کے گردونواح کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت کے خطوط لکھے تھے۔ مصر کے حکمران مقوقس کو بھی آپ نے اسی طرح خط لکھا۔ یہ خط آپ کے صحابی حاطب ابن ابی بلتعہ کے ہاتھ بھیجا گیا۔ شاہِ مقوقس حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے بہت عزت سے پیش آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خط کے جواب میں اس نے ایک خط لکھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

''محمد بن عبداللہ کے نام مصر کے بادشاہ مقوقس کی طرف سے۔ سلام کے بعد واضح ہو کہ میں نے آپ کا خط پڑھا۔ جو کچھ اس کا مضمون ہے، وہ میں نے سمجھ لیا ہے، مجھے یہ تو معلوم تھا کہ ایک نبی آنے والے ہیں، لیکن میرا گمان تھا کہ وہ ملک شام میں ظاہر ہوں گے۔ میں نے آپ کے سفیر کی بہت عزت اور تکریم کی ہے۔ دو لڑکیاں بھیج رہا ہوں۔ ان کی قبطیوں میں بہت عزت ہے اور میں آپ کے لیے کپڑا اور سواری کا خچر بھی بھیج رہا ہوں۔ والسلام۔''

یہ دونوں لڑکیاں حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین تھیں۔ مصر کے بادشاہ نے ان دونوں کے ساتھ ساتھ ہزار مثقال سونا، بیس سفید کپڑے کے تھان اور آپ کی سواری کے لیے دُلدل نام کا

خچر ارسال کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو بالا خانے میں ٹھہرایا۔اس بالا خانے میں آپ کے ہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی آخری اولاد ابراہیم رضی اللہ عنہ ہی ہیں،ان کی پیدائش 8 ذی الحجہ کو ہوئی۔ساتویں روز آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کا عقیقہ کیا۔عقیقے میں آپ نے دو مینڈھے ذبح کیے۔سر منڈوایا...اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی۔بال زمین میں دفن کیے گئے۔ابراہیم بہت تندرست اور خوب صورت تھے۔ابورافع رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بیٹے کی پیدائش کی خوش خبری سنائی تو آپ اتنے خوش ہوئے کہ ابورافع رضی اللہ عنہ کو ایک غلام انعام میں دے دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ابراہیم کو گود میں لے کر پیار کیا کرتے تھے۔

عرب کے قاعدے کے مطابق حضرت ابراہیم کو دودھ پلانے کے لیے ایک دایہ کے حوالے کیا گیا۔ان کا نام ام بردہ رضی اللہ عنھا تھا۔یہ ایک لوہار کی بیوی تھیں۔ان کے چھوٹے سے گھر میں عام طور پر بھٹی کا دھواں رہتا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بچے کو دیکھنے کے لیے لوہار کے گھر جاتے۔وہاں دھواں آپ کی آنکھ اور ناک میں چلا جاتا۔آپ انتہائی نازک طبع ہونے کے باوجود بچے کی خاطر اس دھویں کو برداشت کرتے۔ابراہیم ابھی 17 یا 18 ماہ کے ہوئے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔انہوں نے آپ کے ہاتھوں میں جان دی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے:

''اللہ کی قسم ابراہیم! ہم تمہاری موت سے بہت غمگین ہیں۔آنکھ رو رہی ہے۔دل غمزدہ ہے،مگر ہم ایسی بات زبان سے نہیں کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی نہ ہو۔''

جس روز ابراہیم فوت ہوئے۔اس روز سورج گرہن ہوگیا۔پرانے زمانے کے

لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت سے ہوا کرتے ہیں۔اس اعتقاد کی بنیاد پر مدینہ منورہ کے لوگ بھی یہ بات کہنے لگے۔آپ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔آپ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے ایک تقریر کی۔اس میں آپ نے فرمایا:

''سورج اور چاند کو کسی انسان کی موت سے گرہن نہیں لگتا، بلکہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔جب تم ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاؤ۔''

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں 16 ہجری میں انتقال فرمایا۔آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

قدم بہ قدم

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاں چار بیٹیاں ہوئیں۔ چاروں بیٹیاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئیں۔ان میں سب سے بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس کے پانچ سال بعد سیدہ زینب پیدا ہوئیں۔اس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر مبارک 30 سال کے قریب تھی۔ گویا جب اسلام کا آغاز ہوا، اس وقت آپ کی عمر 10 سال تھی۔

اعلانِ نبوت کے بعد سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تھا۔آپ کے ساتھ ہی آپ کی اولاد بھی اسلام میں داخل ہوئی۔

مکہ معظّمہ میں ابوالعاص بن ربیع کا شمار شریف لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ دولت مند تاجر تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے گزارش کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص سے کر دینا چاہیے۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رائے کا بہت احترام فرماتے تھے۔آپ نے سیدہ کا یہ مشورہ فوراً مان لیا اور حضرت زینب کا نکاح ابوالعاص سے کر دیا گیا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب دین کی تبلیغ شروع کی تو قریش مکہ نے ظلم و

ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ ایک روز مشرک آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کو لگے جھٹلانے اور برا کہنے۔ یہاں تک کہ آپ کو ہاتھوں سے بھی تکلیف پہنچاتے رہے۔ یہ سلسلہ صبح سے دو پہر تک جاری رہا۔ آخر یہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت ایک نوعمر لڑکی آئیں۔ پریشانی کی حالت میں انھوں نے دوپٹہ پیچھے ڈالا ہوا تھا۔ وہ پانی کا ایک پیالہ اور رومال اٹھائے ہوئے تھیں۔ انھوں نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پانی پلایا۔ آپ نے پانی نوش فرمالیا تو رومال سے آپ کے ہاتھ منہ صاف کرنے لگیں۔ ایسے میں رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نظر اٹھا کر آپ کو دیکھا اور ارشاد فرمایا:

''بیٹی! دوپٹے کو اپنے سینے پر ڈال لو، اپنے والد پر ہلاکت کا کوئی خوف نہ کرو۔''

لوگوں نے پوچھا:

''یہ کون ہیں؟''

انھیں بتایا گیا:

''یہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صاحب زادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔'' (مجمع الزوائد)

اس واقعے سے ظاہر ہے کہ آپ اپنے والد کی مشکلات میں مکمل طور پر ساتھ دے رہی تھیں اور وہ دور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے مشکل ترین دور تھا۔

جب مشرکین مکہ کے ظلم وستم کی بنیاد پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے قریبی لوگ ابی طالب کی گھاٹی میں رہنے پر مجبور ہوئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع نے ان دنوں ان حضرات کی خوب مدد کی۔ یہ شدید تنگی کے تین سال تھے۔ ان میں ابوالعاص غلہ وہاں پہنچاتے رہے۔ وہ یہ غلہ گھاٹی کے دہانے پر رکھ دیتے اور آواز لگا کر واپس مڑ جاتے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے۔

''ابوالعاص نے ہماری دامادی کی بہترین رعایت کی اور اس کا حق ادا کیا۔''

مکہ کے لوگوں کی دشمنی جب حد سے بڑھ گئی تو انھوں نے ایک قدم اور بھی اٹھایا۔ یہ لوگ ابوالعاص کے پاس گئے اور ان سے کہا:

''اے ابوالعاص! تم زینب (رضی اللہ عنھا) کو طلاق دے دو، تم قریش میں سے جس عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہو گے، ہم تمہارا نکاح اس عورت سے کرا دیں گے۔''

اس پر ابوالعاص نے کہا:

''میں اپنی بیوی زینب (رضی اللہ عنھا) کو طلاق نہیں دے سکتا اور ان کے بدلے میں قریش کی کسی عورت کو پسند نہیں کرتا۔''

اور یہ بات ہے اس دور کی جب کہ ابوالعاص مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مکہ کے کافروں کے عقیدے پر تھے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ بات معلوم ہوئی تو ابوالعاص کی تعریف فرمائی۔

کافروں کی دشمنی جب حد سے بڑھ گئی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم فرمایا۔ اس طرح مسلمانوں کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت شروع ہوئی۔

مسلمان مدینہ منورہ پہنچ گئے تو انھیں کافروں سے جہاد کرنے کی اجازت ہوگئی۔ مسلمان اور کافروں میں جنگیں شروع ہوگئیں۔ اس سلسلے کی سب سے اہم جنگ غزوہ بدر تھی۔ اس میں قریش مکہ پوری تیاری سے میدان بدر میں پہنچے۔ دوسری طرف 313 صحابہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت میں کفار کے مقابلے کے لیے میدان بدر میں آ گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کچھ کافر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ قیدیوں کو مدینہ منورہ لایا گیا، تاکہ ان سے معقول معاوضہ لے کر انھیں آزاد کر دیا جائے۔ قیدیوں میں ابوالعاص بھی تھے۔ ان میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی قید ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ یہ حضرات زبردستی ساتھ لائے گئے تھے۔ مسلمانوں سے جنگ کی غرض

سے اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے، نہ جنگ کے دوران انھوں نے تلوار چلائی، لیکن چونکہ کفار کے لشکر میں شامل تھے اور اسی حالت میں گرفتار کیے گئے تھے۔ اس لیے قیدی کی حیثیت میں تھے۔

اب مکہ کے کفار نے اپنے اپنے قیدیوں کے لیے رقمیں ارسال کرنا شروع کیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے شوہر کی رہائی کے لیے نقد رقم نہیں تھی۔ انھوں نے اپنا ہار بھیج دیا۔ یہ ہار انھیں ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں یہ فدیہ جات پیش کیے جا رہے تھے کہ یہ ہار آپ کے سامنے کیا گیا۔ ہار کو دیکھتے ہی آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں۔ اس دور کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ تمام صحابہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اس وقت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''تم پسند کرو تو ابوالعاص کو رہا کر دو اور یہ ہار جو معاوضے کے طور پر آیا ہے، واپس کر دو۔''

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے فرمایا:

''آپ درست فرماتے ہیں۔ ہم بلا معاوضہ ابوالعاص کو رہا کرتے ہیں اور زینب رضی اللہ عنہا کے ہار کو واپس کرتے ہیں۔''

اس موقعے پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ابوالعاص سے فرمایا:

''تم وعدہ کرو کہ مکہ پہنچ کر زینب کو ہمارے پاس آنے کی اجازت دے دو گے۔''

''جی! میں وعدہ کرتا ہوں۔'' انھوں نے کہا۔

اس طرح ابوالعاص کو بلا معاوضہ رہا کر دیا گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا والا ہار واپس کر دیا گیا۔

چند دن بعد حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

اور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کو مکہ کی طرف روانہ فرمایا، تاکہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ لے آئیں۔

ادھر ابو العاص رہا ہو کر مکہ پہنچے۔ تمام حالات حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سنائے۔ ساتھ ہی انھوں نے کہا:

''میری طرف سے تمھیں اجازت ہے، تم خوشی سے اپنے والد کے پاس جا سکتی ہو۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کی تیاری میں لگ گئیں۔ تیاری مکمل ہوگئی اور وعدہ پورا کرنے کا دن آ گیا تو ابوالعاص نے اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کے ساتھ انھیں رخصت کیا۔ حضرت زینب اونٹ پر سوار ہوئیں اور کنانہ نے اپنے تیر کمان بھی ساتھ لے لیے۔ انھوں نے اونٹ کی مہار پکڑی اور روانہ ہوئے۔ کنانہ انھیں اس طرح لیے چلے جا رہے کہ قریش مکہ کو اس بات کا پتا چل گیا۔ وہ وقت بھی دن کا تھا، جب حضرت زینب کا اونٹ وادیٔ ذی طویٰ کے پاس پہنچ گیا تو مکہ والے راستے میں آ گئے۔ پہلا شخص جو تکلیف پہنچانے کی نیت سے آگے آیا، وہ ہبار بن اسود تھا، اس نے نیزے کا وار کیا۔ حضرت زینب اس وقت امید سے تھیں۔ آپ نیچے گر پڑی اور زخمی ہوگئیں۔ یہ دیکھ کر کنانہ نے تیر کمان سنبھال لیے۔ انھوں نے راستے میں آنے والوں پر تیر برسانے شروع کر دیے اور پکارے:

''جو بھی قریب آئے گا، اسے تیروں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔''

اس پر وہ لوگ رک گئے، پیچھے بھی ہٹ گئے، لیکن راستہ انھوں نے پھر بھی نہ دیا۔ اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے دیور کے ساتھ واپس لوٹ گئیں۔ چند دن بعد رات کی تاریکی میں پھر کنانہ کے ساتھ نکلیں اور اس مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں جہاں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھی کے ساتھ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ پہنچیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص کی

تعریف فرمائی کہ انھوں نے وعدہ پورا کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے راستے میں پیش آنے والی مشکلات اور تکالیف کا ذکر کیا کہ کس طرح ہبار بن اسود اور اس کے ساتھیوں نے آپ کا راستہ روکا اور انھیں زخمی کیا۔ پھر کس طرح کنانہ نے انھیں حضرت زید رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔ اس وقت حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''میری بیٹیوں میں زینب سب سے افضل ہے۔ جو میری وجہ سے مصیبت زدہ ہوئیں۔''

اب ابوالعاص مکہ میں تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس تھیں۔ ابوالعاص جب تک ایمان نہیں لائے، مکہ میں رہے۔

مکہ والے تجارت کی غرض سے شام کی طرف سفر کیا کرتے تھے۔ ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں ابوالعاص بھی شامل تھے۔ قریش کے مال ان کے پاس تھے جن سے انھیں شام میں تجارت کرنا تھی۔ جب یہ قافلہ شام سے واپس لوٹا تو مسلمانوں کوا س کا علم ہوگیا۔ مسلمانوں نے ان لوگوں کو گھیر لیا اور انھیں گرفتار کرلیا، لیکن اس سے پہلے ہی ابوالعاص قافلے سے الگ ہوکر مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں پہنچ گئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انھیں پناہ دے دی۔ باقی قافلے والے بعد میں مدینہ لائے گئے۔ عام مسلمانوں کو اس بات کی اطلاع نہیں تھی۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو صبح کی نماز پڑھائی۔ ایسے میں عورتوں کی صفوں میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عورتوں کو آواز دی:

''مسلمانو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دے دی ہے۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ سنا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: ''جو کچھ میں نے سنا، تم نے بھی سن لیا۔''

سب نے عرض کیا: ''جی ہاں! اے اللہ کے رسول۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے بھی اس بات کا پہلے علم نہیں تھا اور جب مسلمانوں کا ایک ادنیٰ شخص بھی کسی کو پناہ دے دے تو اس کی پناہ اسلام میں منظور کی جاتی ہے اور اس کا پناہ دینا درست ہوتا ہے تو اس طرح زینب کا ابوالعاص کو پناہ دینا صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ اس پناہ کا خاص خیال رکھیں۔''

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا:

''پیاری بیٹی! ان کی اچھی طرح خاطر داری کرنا۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلا بھیجا جنھوں نے ابوالعاص کے مال رکھے تھے۔ آپ نے انھیں حکم دیا:

''ابوالعاص کے تمام اموال انھیں واپس کر دو۔ ان میں سے کوئی چیز نہ رکھی جائے۔''

اس طرح ابوالعاص کو تمام اموال واپس مل گئے۔ اب یہ مکہ واپس پہنچے۔ جن جن لوگوں کے مال ان کے پاس تھے، انھیں بلایا، ان کے مال انھیں لوٹائے۔ پھر انھوں نے ان لوگوں سے کہا:

''کیا میں نے سب کا مال لوٹا دیا۔ کسی کا میرے ذمے رہ تو نہیں گیا۔''

سب نے کہا: ''ہم سب کو ہمارے مال واپس مل گئے، تم بہت شریف انسان ہو، اللہ تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔''

اس پر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اور اللہ کی قسم! مدینہ منورہ میں میں نے اس

لیے اسلام قبول نہیں کیا کہ کہیں تم یہ گمان نہ کرنے لگو کہ میں نے تمہارے اموال کھانے کا ارادہ کرلیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میں نے تمہارے اموال واپس کردیے اور میں اس ذمے داری سے فارغ ہوگیا تو اب میں اسلام قبول کررہا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی ابوالعاص مکہ سے نکل پڑے اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور اسلام لائے۔ اس طرح ان کا اسلام بہت عمدہ اور پختہ ثابت ہوا۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پہلے نکاح ہی کو برقرار رکھا۔ یعنی نئے سرے سے نکاح نہیں پڑھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ابوالعاص سے بہت اولاد ہوئی۔ ان میں سے ایک بیٹے کا نام علی تھا۔ ایک بیٹی کا نام اُمامہ تھا۔ ایک بچہ تھوڑی سی عمر میں فوت ہوا۔ ایک بچہ مرنے کے قریب ہوگیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پیغام بھیجا:

''بچے کی طبیعت بہت خراب ہے، آپ ذرا تشریف لے آئیں۔''

ان کے پیغام کے جواب میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کہلا بھیجا:

''آپ صبر کریں، جو اللہ تعالیٰ لے لیتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جو دیتے ہیں وہ بھی اسی کے لیے ہے اور ہر شخص کے انتقال کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت مقرر ہے۔ تمہیں ہر حالت میں صبر کرنا چاہیے۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس وقت بچے کی وجہ سے بہت پریشان تھیں۔ انھوں نے قسم دے کر کہلا بھیجا کہ آپ ضرور آئیں۔ اس پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت سعد بن عبادہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنھم وغیرہ صحابہ کی جماعت ساتھ چل پڑی۔ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے۔ بچے کا وقت قریب تھا۔ انھیں آپ کی گود میں دیا گیا۔ اس وقت وہ آخری سانس لے رہے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھوں سے آنسو جاری

ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! یہ کیا! آپ آنسو بہا رہے ہیں۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''یہ تو رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دی ہے۔''

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''اپنے رحم دل بندوں پر ہی اللہ تعالیٰ رحمت فرماتے ہیں۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے علی بن ابی العاص آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ مکہ فتح ہوا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انھیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی اُمامہ سے بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بہت محبت کرتے تھے۔ ایک روز یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمامہ کو اپنے کندھے پر بٹھایا ہوا تھا اور آپ اس حالت میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ جب آپ رکوع فرماتے تو انھیں زمین پر بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو انھیں پھر اٹھا لیتے۔ یعنی آپ کو ان سے اس قدر محبت تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک ہار بطور ہدیہ آیا۔ اس وقت آپ کے پاس کچھ ازواجِ مطہرات جمع تھیں۔ امامہ اس وقت چھوٹی تھیں۔ گھر کے ایک طرف کھیل رہی تھی۔ نبی اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا: ''یہ ہار کیسا ہے۔''

ہم نے عرض کیا: ''بہت بہترین ہے، ہم نے کبھی اتنا بہترین ہار نہیں دیکھا۔''

ہماری بات سن کر آپ نے اس ہار کو ہاتھ میں اٹھایا اور فرمایا:

''میں یہ ہار اپنی اولاد میں سے اس کی گردن میں ڈالوں گا جو مجھے زیادہ پسند ہے۔''

اب تمام ازواجِ مطہرات انتظار کرنے لگیں کہ دیکھیں، ہار کس کے حصے میں آتا ہے۔ پھر آپ نے وہ اپنی نواسی اُمامہ کے گلے میں ڈال دیا۔

اس واقعے سے بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد سے بے تحاشہ محبت کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے 8 ہجری میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ سیرت لکھنے والوں نے موت کا سبب وہ زخم لکھا ہے جو مکہ معظّمہ سے ہجرت کرتے وقت آیا تھا، یعنی جب آپ پر تیر سے وار کیا گیا تھا اور آپ اونٹ سے گر پڑی تھیں۔

آپ کی روح پرواز کر گئی تو گھر میں موجود آپ کی بیٹیاں اور دوسری عورتیں رونے چلانے لگیں۔ ان کے چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی سے روکا۔ اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے عمر! سختی نہ کرو۔''

اس کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں سے فرمایا:

''تم شیطانی آواز نکالنے سے پرہیز کرو۔ جو آنسو آنکھ سے بہتے ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ اس کی رحمت ہے اور جو کچھ ہاتھ سے یا زبان سے کیا جائے، وہ شیطان کی طرف سے ہے۔''

ہاتھ اور زبان سے کرنے سے مراد پیٹنا واویلا کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ نے اپنی صاحب زادی کی وفات پر امت کو یہ تعلیم فرمائی کہ کسی کی موت پر ہاتھ اور زبان سے بے صبری کی حرکات نہ کرو۔ مسلمانوں کے لیے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ یہ جاہلیت کی رسومات تھیں جو لوگ اپنے عزیز و رشتہ دار کی موت پر کرتے تھے۔ اسلام نے صبر اور برداشت کی تعلیم دی ہے جیسا کہ اس موقعے پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے غسل کا انتظام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نگرانی میں ہوا۔ غسل میں ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حصہ لیا۔ پانی میں بیری کے پتے ڈال کر اسے ابالا گیا۔ اس پانی سے تین بار غسل دیا گیا۔ پھر کافور کی خوشبو لگائی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: ''جب تم غسل دے چکو تو مجھے اطلاع دینا۔'' چنانچہ آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہ بند اتار کر دیا اور فرمایا: ''میرے تہ بند کو کفن کے اندر داخل کر دو۔''

اس مقام پر علماء نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اپنا تہ بند اتار کر غسل دینے والی خواتین کے حوالے نہیں کر دیا تھا، بلکہ فرمایا تھا کہ جب غسل دے چکو تو بتانا۔ جب آپ کو بتایا گیا، تب آپ نے تہ بند اتار کر دیا، تاکہ وہ تہ بند زیادہ دیر تک آپ کے بدن مبارک سے لگا رہے اور بالکل قریب تر وقت میں جسم مبارک سے الگ ہو کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے جسم مبارک سے لگے۔

کفن دیا جا چکا تو اس وقت حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا:

''ہم نے ملک حبشہ میں دیکھا ہے کہ عورتوں کی پردہ داری کے لیے ان کی چارپائی پر ایک قسم کی ڈولی سی بنا دی جاتی ہے، تاکہ میت کا جسم پوری طرح چھپا رہے۔''

اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا کے مشورے پر پردے کا یہی انتظام کیا گیا۔ یہ اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا پہلی مسلمان خاتون تھیں جن کا جنازہ اس اہتمام سے اٹھایا گیا۔

نمازِ جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔ پھر جنازے کو قبر کے پاس لایا گیا۔

قبر کی تیاری میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم قبر کے نزدیک تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام بھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آخر آپ کو بتایا گیا کہ قبر تیار ہے۔ اب آپ خود قبر میں اترے۔ اس وقت آپ کے چہرے پر غم کے آثار کم ہو چلے تھے، چہرے پر بشاشت آ گئی تھی۔ صحابہ کرام حیران تھے۔ آخر آپ سے پوچھا گیا۔

''اللہ کے رسول! پہلے آپ بہت غم زدہ تھے، ہم کچھ پوچھنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اب آپ کے چہرے پر بشاشت آ گئی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''قبر کی تنگی اور اس کی خوفناکی میرے سامنے تھی اور زینب کا کمزور ہونا مجھے معلوم تھا۔ بس یہ بات مجھے ناگوار گزر رہی تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ زینب کے لیے اس حالت کو آسان فرما دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات منظور فرما لی اور زینب سے اس مشکل کو دور کر دیا۔'' (یعنی اس لیے تم اب میرے چہرے پر بشاشت دیکھ رہے ہو)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہجرت کے وقت جو زخم آئے تھے، وفات سے پہلے وہی زخم دوبارہ تازہ ہو گئے تھے اور آپ کی وفات کا سبب بھی وہی زخم بنے تھے، اس بنا پر اہلِ اسلام نے آپ کو شہید قرار دیا ہے۔

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں۔ ان کی والدہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے تین سال بعد پیدا ہوئیں۔ اس وقت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر مبارک تقریباً 33 سال تھی۔ آپ نے اپنی بہنوں کے ساتھ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگرانی میں تربیت پائی اور بالغ ہوئیں۔ خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کی صاحب زادیاں ایمان لانے میں پیش پیش ہیں۔ جس وقت ان کی والدہ ایمان لائیں تو ان کے ساتھ ہی یہ صاحب زادیاں بھی مسلمان ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد)

اسلام کے اعلان سے پہلے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی دو صاحب زادیوں رقیہ اور امِ کلثوم کا نکاح اپنے چچا ابولہب کے دونوں لڑکوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ صرف نکاح ہوا تھا۔ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

پھر اسلام کا آغاز ہوا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر وحی نازل ہونے لگی۔ توحید کی آیات اتریں۔ شرک اور کفر کی برائی بیان کی گئی۔ یہاں تک کہ سورۃ تبت یدا ابی لھب وتب ابولہب کے نام کے ساتھ نازل ہوئی۔ اس پر کفار مکہ کی دشمنی عروج پر پہنچ گئی۔ ابولہب

نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا:

''اگر تم محمد بن عبداللہ کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو میں تمہیں منہ نہیں لگاؤں گا اور تمہارا چہرہ تک نہیں دیکھوں گا۔''

باپ کے کہنے پر دونوں بیٹوں نے طلاق دے دی اور دراصل یہ ان صاحبزادیوں کی غیبی مدد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ پاک صاحب زادیاں عتبہ اور عتیبہ کے ہاں نہ جاسکیں۔

اس سارے معاملے میں دونوں صاحب زادیوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صاحب زادیاں ہونے کی بنیاد پر ایسا کیا گیا تھا۔ جب ابو لہب کے لڑکوں نے دونوں صاحب زادیوں کو طلاق دے دی تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی صاحب زادی رقیہ کا نکاح مکہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔

اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی رقیہ کا نکاح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔''

چنانچہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا اور ساتھ ہی رخصتی کر دی۔ (کنز العمال 375/6)

اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے اپنی ایک صاحب زادی رقیہ کا نکاح کیا۔ پھر ان کے انتقال کے بعد دوسری صاحب زادی ام کلثوم کو ان کے نکاح میں دے دیا۔ (کنز العمال 379/6)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحب زادیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینا ان کی بہت بڑی فضیلت ظاہر کرتا ہے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہت عظیم سعادت اور خوش بختی ہے کہ نبی آخر الزماں کی دو بیٹیاں ان کے نکاح میں آئیں۔ دنیا میں یہ فضیلت کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کس قدر پسند فرماتے تھے، ان سے کتنی محبت فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو حسن و جمال بھی بہت عطا فرمایا تھا۔ جب آپ کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس دور کی عورتیں اس شادی پر رشک کرتی تھیں، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی بہت حسین وجمیل تھے۔ وہ عورتیں کہا کرتی تھیں:

''انسانوں نے جو حسین ترین جوڑا دیکھا ہے، وہ رقیہ اور ان کے خاوند عثمان ہیں۔''

اور وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ کفار طرح طرح کے ظلم ڈھا رہے تھے۔ ان حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ لوگ اگر حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں تو یہ ان کے لیے بہت بہتر رہے گا۔ اس لیے کہ حبشہ کا بادشاہ بہت نیک انسان ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا، وہاں تم آرام اور سکون سے رہ سکتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی کی کوئی صورت فرما دیں گے۔

اس پر چند افراد حبشہ کی طرف نکل پڑے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی ہجرت تھی۔

قرآنِ کریم میں اس ہجرت کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: جن لوگوں نے ستم رسیدہ ہونے کے بعد اللہ کے راستے میں ہجرت کی اور اپنا وطن چھوڑا، ان لوگوں کو ہم دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے۔
(سورۃ النحل: آیت 41)

اب جو حضرات اس ہجرت کے لیے مکہ سے نکلے، ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھے۔ ہجرت کا یہ واقعہ نبوت کے پانچویں سال پیش آیا۔

ہجرت کرنے والے ان حضرات نے حبشہ میں کچھ مدت گزاری، پھر مکہ واپس آ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ واپس آ گئے، لیکن اس دوران آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا چکے تھے۔ لہٰذا حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما نے بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ یہ ان کی دوسری ہجرت تھی۔ اس طرح انھیں دو مرتبہ ہجرت کا شرف حاصل ہوا۔

حبشہ میں رہائش کے دوران حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ ان کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس بچے کے نام کی نسبت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ اپنے والدین کے ساتھ نواسہ رسول عبداللہ بھی مدینہ منورہ پہنچے۔ ان کی عمر چھ ماہ کی تھی کہ ایک مرغ نے ٹھونگ مار کر انھیں زخمی کر دیا۔ اس زخم سے ان کے چہرے پر ورم آ گیا تھا اور یہ زخم ٹھیک نہ ہو سکا۔ اسی حالت میں عبداللہ انتقال کر گئے۔ یہ اپنی والدہ کے بعد 4 ہجری میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اور اولاد نہیں ہوئی۔

عبداللہ کے انتقال پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بہت غمزدہ ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں گود میں اٹھایا، آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس حالت میں آپ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحیم اور شفیق بندوں پر رحم فرماتا ہے۔''

پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ انھیں دفن کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ایک خادمہ تھیں۔ ان کا نام امِ عیاش تھا۔ یہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت کیا کرتی تھیں، لیکن پھر آپ نے انھیں حضرت رقیہ رضی اللہ عنھا کو سونپ دیا اور وہ ان کی خدمت کرنے لگیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایک کم عمر خادم حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے جو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے، وہ کہتے ہیں:

''ایک روز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے گوشت کا ایک پیالہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ رقیہ کو دے آؤ۔ میں نے وہ پیالہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا دیا۔ اس وقت گھر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ خدا کی قسم میں نے ایسا عمدہ جوڑا پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میاں بیوی دونوں حسن و جمال میں بے مثال تھے۔ (اس وقت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال سے کم تھی۔)

ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک عمدہ کھانا تیار کرا کے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھیجا۔ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امِ سلمہ رضی اللہ عنھا کے گھر رہنا تھا مگر جب ہدیہ پہنچا تو آپ اس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔ جب تشریف لائے تو ام المومنین امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے وہ کھانا آپ کے ساتھ پیش کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا:

''یہ کس نے بھیجا؟''

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنھا نے بتایا:

''یہ حضرت عثمان کے گھر سے آیا ہے۔''

یہ سن کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے اور دعا فرمائی:

''اے اللہ عثمان تجھے راضی کرنا چاہتے ہیں، تو بھی ان سے راضی ہو جا۔''

یہ واقعات بتا رہے ہیں، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی

اللہ عنہما سے کس قدر محبت تھی۔

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سر دھو رہی ہیں، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''بیٹی! اپنے خاوند کے ساتھ اچھا سلوک کرتی رہو، میرے صحابہ میں عثمان کے اخلاق مجھ سے زیادہ ملتے جلتے ہیں۔''

2 ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ اس غزوے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے۔ انھی دنوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں۔ بیماری شدید تھی اور پھر آپ اور آپ کے صحابہ غزوہ کے لیے بالکل تیار تھے، لہٰذا ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''رقیہ بیمار ہیں، آپ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی ٹھہر جائیں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آپ کے لیے بدر میں حاضر ہونے والوں کے برابر اجر ہے اور مالِ غنیمت میں بھی آپ کا حصہ ہے۔''

آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر میں شریک ہونے کے برابر ثواب کا حق دار قرار دیا تھا اور اسی طرح غزوہ بدر میں شرکت کرنے والوں کے برابر ہی مالِ غنیمت کا حق دار قرار دیا تھا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی بنتا

ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کو غزوہ بدر میں شرکت کے مطابق قرار دیا تھا۔

اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا تھا:

''اے اللہ کے رسول! میرے اجر اور ثواب کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا تھا:

''تمہارا اجر اور ثواب بھی اہلِ بدر کے برابر ہے۔'' (ابن اثیر، البدایہ والنہایہ)

اس قدر وضاحت کے بعد بھی لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ایسے لوگ گمراہ نہیں تو اور کیا ہیں۔

2 ہجری کو غزوہ بدر پیش آیا۔ دوسری طرف حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری شدید ہوگئی اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی غیر حاضری میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی تیمارداری بھی فرمائی اور اس کے بعد کفن دفن کا انتظام بھی کیا۔

ادھر میدانِ بدر میں کفار کو شکست ہوگئی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فتح کی خبر لے کر مدینہ منورہ پہنچے، اس وقت لوگ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر چکے تھے اور اپنے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے سترہ ماہ بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنھا کا انتقال ہوا تھا۔

چند دن بعد نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے۔ جنت البقیع میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنھا کی قبر پر پہنچے۔ اس موقعے پر کچھ خواتین بھی جمع ہوگئیں اور رونے لگیں۔ جب عورتوں کی آواز بلند ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ذرا سخت انداز میں منع کیا۔ اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انھیں سختی نہ کرنے کی ہدایت فرمائی اور خواتین سے فرمایا:

''جب تک آنکھ اور دل سے رونا ہو، تب تک یہ علامت رحمت اور شفقت کی ہے،

لیکن جب زبان سے واویلا اور ہاتھ سے اشارے ہوں تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔''

اس موقعے پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں آ گئیں اور رونے لگیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے چہرے سے آنسو پونچھے اور انھیں تسلی دی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر آپ بہت رنجیدہ تھے۔ ایک غم آپ کو یہ تھا کہ ان کی وفات آپ کی غیر حاضری میں ہوئی تھی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم آخری لمحات میں بھی ان کے پاس نہیں تھے۔ یہاں تک کہ کفن دفن میں بھی حصہ نہیں لے سکے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا

سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا، نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تیسری صاحب زادی ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ کا نام امِ کلثوم ہے۔ یہ دراصل آپ کی کنیت ہے۔ آپ اسی نام سے مشہور ہیں۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو آپ نے بھی اپنی والدہ اور بہنوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ ہجرت سے پہلے تک آپ مکہ معظّمہ میں رہیں۔ آپ اور آپ کی بہن رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اسلام سے پہلے ابولہب کے بیٹوں سے ہوا تھا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ **تبت یدا ابی لهب،** سورۃ نازل ہوئی تو ابولہب کے کہنے پر اس کے لڑکوں نے دونوں کو طلاق دے دی۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ یہ پاکیزہ بیبیاں ناپاک مشرکین کے گھروں میں نہ جائیں۔

یہ طلاق صرف اسلام دشمنی میں دی گئی تھی۔ سیدہ رقیہ اور امِ کلثوم رضی اللہ عنہما کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ تو صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دکھ دینا چاہتے تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دونوں بیٹیوں کو بھی یہ صدمہ دین کی خاطر دیا گیا۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کے حکم سے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے چند ماہ بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ابورافع اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہا کو مکہ

روانہ فرمایا، تاکہ یہ گھر کے افراد کو مدینہ لے آئیں۔ آپ نے سواری کے لیے دو اونٹ اور نقد رقم بھی انھیں دی تھی۔ یہ سفر خرچ کے لیے تھی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان دونوں حضرات سے فرمایا تھا:

''مکہ سے ہمارے اہلِ عیال کو لے آئیں۔''

یہ حضرات مکہ پہنچے اور وہاں سے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر والوں کو مدینہ منورہ لے آئے۔ اس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجدِ نبوی کی تعمیر میں مصروف تھے اور مسجد کے آس پاس حجرے بنوا رہے تھے۔ اس لیے آپ نے اپنے اہلِ خانہ کو حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرایا۔ اس طرح امِ کلثوم، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنھن مدینہ منورہ پہنچیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ یہ ذکر پہلے آچکا ہے۔

غزوہ بدر کے موقع پر 2 ہجری میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا انتقال کر گئیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت غمگین رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رشتہ دامادی برقرار رہے، چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے عثمان! یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں، یہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دے دوں۔ جو مہر رقیہ کے لیے مقرر ہوا تھا، وہی مہر امِ کلثوم کا ہو۔''

3 ہجری میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوہرے داماد

ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ رخصتی چند ماہ بعد ہوئی۔ اس نکاح کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''میں اپنی بیٹیوں کو اپنی مرضی سے کسی کے نکاح میں نہیں دیتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔'' (مستدرک حاکم 49/4)

اس حدیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا تھا۔ یہی نہیں، باقی صاحب زادیوں کے، حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کے نکاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئے تھے، یعنی یہ ان صاحب زادیوں کی خصوصیت ہے کہ ان کے نکاح اللہ کے حکم سے ہوئے۔ ان کے نکاح کے ساتھ کسی دوسری عورت کو نکاح میں نہیں لیا گیا۔

ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا جب تک زندہ رہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ ان دونوں صاحب زادیوں کے بعد البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نکاح کیے اور ان سے آپ کے ہاں اولاد بھی ہوئی۔

حضرت امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال 8 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں ہوا۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ آپ کی تیسری صاحب زادی کا انتقال بھی آپ کی زندگی میں ہی ہوا۔ شعبان 9 ہجری میں آپ اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

یہ سب اللہ کے کام ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادگان بھی آپ کی زندگی ہی میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ انبیا علیھم السلام لوگوں کے اعتبار سے زیادہ آزمائش میں ہوتے ہیں، ان کے بعد جو ان سے زیادہ مشابہ ہوئے ہیں، وہ آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال پر حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کا حددرجے غم زدہ ہونا قدرتی بات تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا:

''اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان کے نکاح میں دے دیتا۔''

سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے کفن دفن کے انتظامات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائے۔ حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلب رضی اللہ عنہا، حضرت اسما بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا، حضرت لیلیٰ بنتِ قانف رضی اللہ عنہا اور امِ عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو غسل دیا۔ غسل کے لیے بیری کے پتوں والا پانی استعمال کیا گیا، غسل کے بعد کافور کی خوشبو لگائی گئی۔

غسل اور کفن کے بعد جنازے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جنازے میں شرکت کی۔

نمازِ جنازہ ہوچکی تو جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا۔ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ قبر میں اترے اور دفن کرنے میں مدد کی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی کے دفن کے موقعے پر ہم حاضر تھے اور سردارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر تشریف فرما تھے، میں نے دیکھا، آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ آپ کا نام فاطمہ اور لقب زہرا اور بتول ہیں۔ آپ کی والدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنھا ہیں۔ آپ نبوت کے اعلان سے قریباً پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ یعنی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر اس وقت 35 سال تھی۔

ایک روایت کے مطابق آپ نبوت کے اعلان کے بعد پیدا ہوئیں۔ جب کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر اکتالیس سال تھی۔ آپ کے چلنے کا انداز نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم جیسا تھا۔ اٹھنے بیٹھنے کے انداز بھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم جیسے تھے۔

نبوت کے اعلان کے بعد مکہ کے کافروں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ستانا شروع کیا۔ ایک روز آپ خانہ کعبہ کے پاس حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش کے چند شریروں نے ایک اونٹ کی اوجھڑی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کمر مبارک پر رکھ دی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس وقت سجدے کی حالت میں تھے۔ کسی نے جا کر یہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کو بتا دی۔ وہ دوڑی ہوئی آئیں اور اس بوجھ کو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کمر سے اتارا۔ نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کفار کے لیے بددعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان میں سے زیادہ تر غزوہ بدر میں مارے گئے۔

(بخاری شریف 74/1)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اپنی بیٹیوں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا اور ام کلثوم رضی اللہ عنھا کو مکہ ہی میں چھوڑ گئے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو بھی وہیں چھوڑ گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں پہنچ جانے اور ہائش کے انتظامات کرنے کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنھما کو انھیں لانے کے لیے بھیجا۔ انھیں سفر کے لیے دو اونٹ اور پانچ سو درہم بھی دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن اریقط ان حضرات کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ ان حضرات نے قدید کے مقام سے سواریاں خریدیں اور پھر مکہ میں داخل ہوئے۔ یہاں ان کی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ بھی ہجرت کے لیے تیار تھے۔ اس طرح یہ تمام حضرات آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیٹیوں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد 2 ہجری میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کے نکاح کی طرف توجہ فرمائی۔ بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا سے نکاح کی درخواست کی تھی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے پوچھا:

”آپ کے پاس مہر کے لیے کوئی چیز ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”اور تو کوئی چیز نہیں ہے۔ بس ایک سواری اور ایک زرہ ہے۔“

یہ دونوں چیزیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم میں فروخت کر دیں۔ اس موقعے پر حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''ان میں سے فاطمہ کے لیے خوشبو خریدو، کیونکہ فاطمہ بھی خواتین میں سے ہے اور ان کے لیے خوشبو درکار ہوتی ہے۔''

اس کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''فاطمہ کی رخصتی کے لیے مکان کی تیاری کی جائے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہم نے اس کام کی تیاری شروع کی۔ وادیٔ بطحا سے اچھی قسم کی مٹی منگوائی۔ اس سے مکان کو لیپا پوتا اور صاف کیا۔ پھر ہم نے اپنے ہاتھوں سے کھجور کی چھال درست کی۔ ان سے دو گدے تیار کیے۔ خرما اور منقیٰ سے خوراک تیار کی۔ پینے کے لیے شیریں پانی مہیا کیا۔ پھر اس مکان کے ایک کونے میں ایک لکڑی گاڑ دی، تاکہ اس پر مشکیزہ اور کپڑے لٹکائے جاسکیں۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''فاطمہ کی شادی سے بہتر ہم نے کوئی شادی نہیں دیکھی۔ (ابن ماجہ)

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جہیز میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک بڑی چادر اور چمڑے کا ایک تکیہ دیا جو کھجور کی چھال یا اذخر سے بھرا تھا۔ اذخر خوشبو دار گھاس کو کہتے ہیں۔ آٹا پیسنے کے لیے ایک چکی، ایک مشکیزہ اور دو گھڑے دیے۔ آپ نے اپنی پیاری بیٹی کو بس یہ سامان دیا۔ یہ بھی اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت غریب تھے، ان کے پاس گھر داری کا کوئی سامان تھا ہی نہیں، لہٰذا اس سے مروجہ جہیز کا جواز کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ امت کے لیے یہ سادہ اور مختصر سامان ہمارے لیے ایک نمونہ ہے اور ہمیں یہ سبق دے رہا ہے کہ اصل چیز فکر آخرت ہے اور یہ زندگی عارضی ہے۔

جب یہ تیاریاں مکمل ہوچکیں تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کے حکم کے

مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ مہر چار سو مثقال مقرر فرمایا۔ نکاح میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اور بڑے صحابہ نے شرکت کی۔ یہ حضرات اس نکاح کے گواہ تھے۔ نکاح کی تقریب بالکل سادہ تھی۔ کسی قسم کے تکلفات نہیں برتے گئے۔ کوئی رسومات نہیں کی گئیں۔

نکاح کے بعد حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی دختر کو بی بی امِ ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر روانہ فرمایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت امِ ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیدل چل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تک گئیں۔ کسی ڈولی یا سواری کا انتظام نہیں کیا گیا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ نکاح رمضان 2 ہجری میں ہوا اور رخصتی ماہ ذوالحجہ 2 ہجری میں ہوئی۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ تھی جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس برس تھی۔ (قرطبی)

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے زندگی گزارنے کا ضابطہ ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا:

''فاطمہ گھر کے اندر کے کام سرانجام دیں گی اور علی المرتضےٰ گھر سے باہر کے کام کریں گے۔''

وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ مسلمانوں کو کافروں کے مقابلے میں فتوحات ہونے لگیں تھیں۔ لونڈیاں اور غلام ان فتوحات میں آتے تھے۔ یہ مسلمانوں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں کچھ غلام آئے۔ اس موقعے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''آپ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں جا کر ایک غلام کا مطالبہ کریں جو گھریلو کام کاج میں آپ کی مدد کر سکے۔ اس طرح آپ زحمت سے بچ جائیں گی۔''

اس پر آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ اس وقت وہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ آپ ان سے گفتگو میں مصروف تھے۔ یہ دیکھ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس لوٹ گئیں۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی گھر میں موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''فاطمہ! آپ میرے پاس آئی تھیں، اس وقت کیا کہنا چاہتی تھیں۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شرم محسوس ہوئی اور آپ کچھ نہ کہہ سکیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں عرض کرتا ہوں، فاطمہ گھر کا کام خود کرتی ہیں، چکی پیستی ہیں تو ان کے ہاتھوں میں گٹے پڑ جاتے ہیں۔ پانی لانے کے لیے مشکیزے خود اٹھاتی ہیں، اس کی وجہ سے جسم پر نشان پڑ گئے ہیں۔ آپ کی خدمت میں کچھ غلام آئے تو میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ آپ سے ایک غلام مانگ لیں، تاکہ آپ مشقت سے بچ جائیں۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے بیٹی! تمہیں اپنے کام خود کرنے چاہییں۔ میں تم کو وظیفہ بتاتا ہوں جب رات کو سونے لگو تو یہ پڑھ لیا کرو۔ 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمدللہ اور 34 بار اللہ اکبر۔''

یہ سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''میں اللہ اور اس کے رسول سے راضی ہوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے حالات بہتر ہونے پر آپ کو بعد میں ایک خادم عنایت بھی کر دیا تھا۔

3 ہجری میں غزوہ احد پیش آیا۔ غزوہ بدر میں بدترین شکست کے بعد کفار نے اس

مرتبہ زبردست تیاریاں کی تھیں۔اس جنگ میں شروع میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، لیکن چند مسلمانوں کی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمان مشکل حالات میں گھر گئے۔خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کفار نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔آپ کے دندان مبارک کو نقصان پہنچا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی لانے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زخموں کو صاف کرنے لگیں۔خون نہ رکا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھی، تب خون رکا۔(بخاری)

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ ایک میت کو دفن کرنے کے لیے لے گئے۔جب ہم دفن سے فارغ ہوئے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم واپس ہوئے تو صحابہ کرام بھی ساتھ تھے۔جب آپ گھر کے قریب پہنچے تو سامنے سے ایک خاتون آتی نظر آئیں۔یہ سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا تھیں۔آپ نے ان سے پوچھا:

''بیٹی! آپ گھر سے باہر کس لیے گئی تھیں۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''فلاں گھر میں ایک فوتگی ہوگئی ہے۔تعزیت کے لیے گئی تھی۔ان کے حق میں دعا کر کے آئی ہوں۔''

قربانی کے دن تھے۔آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''تم اپنی قربانی کے ذبح کے وقت اس کے پاس کھڑی رہو اور اسے دیکھو۔''

ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

''قربانی کے خون کے ہر قطرے کے بدلے میں تمہارے گناہ معاف ہوتے ہیں۔''

اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اے اللہ کے رسول! کیا یہ مسئلہ صرف ہمارے لیے خاص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

''یہ ہمارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔'' (الفتح الربانی 59/13)

جس روز مکہ فتح ہوا (یعنی 8 ہجری میں) تو ام ہانی رضی اللہ عنہا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس وقت غسل فرما رہے تھے۔ چاشت کا وقت تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے لیے کپڑے سے پردہ کیے ہوئے تھیں۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے سلام کیا تو آپ نے پوچھا:

''کون آئی ہیں۔''

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! یہ میں ہوں ام ہانی۔''

غسل سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے چاشت کی آٹھ رکعت ادا فرمائیں۔ (سنن دارمی 177)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے قربانی کے گوشت کا مسئلہ پوچھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پہلے قربانی کا گوشت بچا کر رکھنے سے منع فرمایا تھا مگر بعد میں آپ نے اسے بچا کر رکھنے کی اجازت دے دی اور واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی سفر سے گھر تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قربانی کا پکا ہوا گوشت پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

''کیا اس کے کھانے سے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع نہیں فرمایا تھا؟''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''قربانی کا گوشت سال بھر کھایا جا سکتا ہے۔''(مسند احمد 282/6)

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تو وہ احترام سے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ مبارک کو چوم لیتیں اور اپنی جگہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بٹھاتیں۔ اس طرح جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور بوسہ دینے کے لیے ان کے ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر اپنی جگہ آپ کو بٹھاتے۔

اس سے معلوم ہوا، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی صاحب زادیوں پر نہایت مہربان تھے۔ ان سے بے تحاشہ محبت کرتے تھے۔ ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم دنیا کی زیب و زینت پسند نہیں فرماتے تھے اور صرف اپنے لیے ہی نہیں، اپنی اولاد کے لیے بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

ایک روز سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کھانے پر بلایا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں نقش و نگار والا ایک پردہ لٹکا رکھا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم دروازے پر ہی ٹھہر گئے، اندر تشریف نہ لائے اور واپس لوٹ گئے۔ یہ دیکھ کر سیدہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے چل پڑیں اور آپ کے نزدیک پہنچ کر عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ واپس کس لیے جا رہے ہیں۔''

جواب میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''پیغمبر کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ایسے مکان میں داخل ہو جو نقش و نگار سے سجایا گیا ہو۔''

ایک روز نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: ''اے میرے بیٹی! جو مجھے محبوب ہے، کیا وہ تمھیں محبوب نہیں۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''کیوں نہیں! جو آپ کو محبوب ہے، وہ مجھے بھی محبوب ہے۔''

اب آپ نے فرمایا: ''تب پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت رکھنا، ان سے عمدہ سلوک قائم رکھنا۔''

فتح مکہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا۔ اس بات کی خبر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی ہوگئی۔ انھیں شدید رنج ہوا۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ بات آپ کو بتائی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام کے سامنے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا:

''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں جس نے انھیں تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی، جو چیز فاطمہ کو بری لگے، وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔ میں اپنی طرف سے حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام کو حلال کرتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوں گی۔''

اس خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔ (بخاری 438/1)

ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں کچھ رنجیدگی ہوگئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت لہجے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ کہہ دیا۔ اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے ارشاد فرمایا:

''اے میری بیٹی! تمہیں اپنے خاوند کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ خاوند کو تنبیہہ وغیرہ کا حق ہوتا ہے۔'' (طبقات ابن سعد 16/8)

اپنے مرض الوفات میں حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بہت سی وصیتیں فرمائیں۔ بہت سے فرمان جاری کیے۔ ان پر عمل کرنے کی پوری امت کو بہت تاکید فرمائی۔ اس موقعے پر آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ وصیت فرمائی:

''اے فاطمہ! اور اے صفیہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حساب کتاب لیا جائے گا، اس کی تیاری کرو۔ میں اللہ کے ہاں حساب کتاب میں تمہارے کام نہیں آؤں گا۔''

اس وصیت سے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مراد یہ تھی کہ حسب نسب پر بھروسہ کر کے اعمال میں کوتاہی کرنا درست نہیں۔ باقی رہا شفاعت کا مسئلہ، وہ اپنے مقام پر بالکل درست ہے۔ وہ اللہ کے حکم سے ہوگی۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آخری دن تھے۔ آپ گھر میں تشریف فرما تھے۔ ازواجِ مطہرات جمع تھیں۔ ایسے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لے آئیں۔ اس وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد میں سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی زندہ تھیں۔ ان کے چلنے کا انداز آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے موافق تھا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انھیں آتے دیکھا تو مرحبا فرمایا اور اپنے پاس بٹھالیا۔ پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیدہ فاطمہ کے کان میں کچھ کہا۔ وہ اس بات کو سن کر بے ساختہ رونے لگیں۔ جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی غمگینی دیکھی تو پھر ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ وہ یہ سن کر ہنسنے لگیں۔

جب نبی اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اس مجلس سے تشریف لے گئے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

''اللہ کے رسول نے آپ کے کان میں کیا کہا تھا۔''

جواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راز کی بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔''

اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''میں آپ کو اس حق کا واسطہ دے کر کہتی ہوں، جو میرا آپ پر ہے، مجھے وہ بات ضرور بتا دیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں کہی تھی۔''

جواب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''پہلی مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کان میں فرمایا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ آکر قرآن مجید کا دور کرتے تھے یعنی مجھے قرآن سناتے تھے اور مجھ سے سنتے تھے، اس مرتبہ انھوں نے دو بار مجھے قرآن مجید سنا اور سنایا۔ اس سے میں یہی خیال کرتا ہوں کہ میری وفات قریب آگئی ہے، اے فاطمہ اللہ سے خوف کھانا اور صبر کرنا، میں تمہارے لیے بہترین پیش رو ہوں گا۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روتے دیکھا، میری گھبراہٹ اور پریشانی کو دیکھا تو دوبارہ سرگوشی کی اور فرمایا:

اے فاطمہ! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تم اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو۔''

ایک دوسری روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''اے فاطمہ! تم میرے اہلِ بیت میں سے پہلی شخصیت ہو جو میرے پیچھے آئے گی (یعنی سب سے پہلے تمہاری وفات ہوگی اور تم مجھ سے ملو گی) یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔''

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ سیدہ فاطمہ رنج و غم کی کیفیت میں

کہنے لگیں:

''اے ابا جان! آپ نے رب کی دعوت قبول کی، اے ابا جان! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانا ہوگا۔''

اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کفن دفن کے مراحل گزرے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کے حجرہ مبارک میں دفن ہوئے۔ اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگیں:

''اے انس! آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جسم مبارک پر مٹی ڈالنا تم لوگوں کو کس طرح گوارا ہوا۔'' (مشکوٰۃ، دارمی)

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے آخری اوقات میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا کو بہت سی وصیتیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک خاص طور پر یہ تھی:

''اے فاطمہ! جب میرا انتقال ہو جائے تو میری وجہ سے (میرے غم میں) اپنے چہرے کو نہ چھیلنا، اپنے بالوں کو نہ پریشان کرنا اور واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ اور بین نہ کرنا، نہ ہی بین کرنے والیوں کو بلانا۔ (بناتِ اربعہ: مولانا محمد نافع)

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ تمام صحابہ نے آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیا اور حضرت ابوبکر صدیق خلافت کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ آپ ہی مسلمانوں کو پانچ وقت کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور مدینہ منورہ کے تمام صحابہ کرام ان کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے۔

ان دنوں میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا اپنا ایک مطالبہ لے کر حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں آئیں۔ آپ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''ہمیں باغِ فدک، خیبر کی جائیداد اور اموالِ مدینہ میں سے ہمارا حقِ وراثت دیا

جائے۔یعنی ان جائیدادوں کا ہمیں وارث بنا دیا جائے۔''

یہ حصہ چونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تھا، اس لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا نے یہ مطالبہ کیا۔اس مطالبے کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء کی مالی وراثت نہیں چلتی اور جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ اللہ کے راستے میں وقف ہے اور صدقہ ہوتا ہے۔ باقی آپ حضرات کو جو حق ان اموال سے نبی اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دور میں ملتا تھا، وہ بدستور دیا جائے گا اور اس میں ہم کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کریں گے اور اسی طریقے سے ادائیگی کریں گے جس طرح نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم جاری کیے ہوئے تھے۔''

اس موقعے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قرابت داری مجھے اپنی قرابت داری سے بہت زیادہ عزیز ہے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رشتے داروں کا لحاظ مجھے اپنے رشتے داروں سے زیادہ ہے۔''

آپ کا مطلب یہ تھا کہ مالی حق آپ کا ادا کیا جاتا رہے گا جیسا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں ادا کیا جاتا تھا۔ مال کا وارث آپ کو نہیں بنایا جائے گا، کیونکہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان یہی ہے۔(بخاری)

چنانچہ تینوں خلفاء کے دور میں یہ حق ان حضرات کو اسی طرح ملتا رہا جس طرح یہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں ملا کرتا تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور میں یہ مسئلہ اسی طرح رکھا۔

اس سلسلے میں جو لوگ کہتے ہیں کہ سیدہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ناگوار گزرا تھا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا نے پھر تمام زندگی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

عنہ سے بات نہیں کی تھی، یہ درست نہیں ہے۔ ان حضرات نے اس فیصلے کو بخوشی قبول کیا تھا، کیونکہ حق بات تھی بھی یہی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی ناخوش گواری نہیں تھی، جیسا کہ درج ذیل واقعے سے ثابت ہے۔

ایک روز سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئیں۔ وہاں دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی، اس گفتگو کے دوران سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا:

''نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میرے حق میں یہ بشارت فرمائی تھی کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد آپ کے اہلِ بیت میں پہلی شخصیت میں ہوں گی جو آپ کے ساتھ جاملوں گی (یعنی اہلِ بیت میں سے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد سب سے پہلے میں اس دنیا سے رخصت ہوں گی)(مسند احمد)

امامہ بنتِ ابی العاص، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سگی بھانجی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امامہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں وصیت فرمائی:

''میرے بعد آپ شادی کرنا چاہیں تو میری بھانجی امامہ کو نکاح میں لے لیں۔''

چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جب امامہ رضی اللہ عنہا بڑی ہوگئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حد درجے غمگین رہنے لگی تھیں۔ آپ کی عمر اس وقت 28، 29 برس کی تھی۔ آپ کی اولاد بیٹے بیٹیاں ابھی کم عمر تھے۔ آپ کی تیمارداری کے لیے حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچوں نمازیں باجماعت مسجد نبوی میں ادا فرماتے تھے۔ایک روز جب یہ حضرات نماز سے فارغ ہو چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہرا کا کیا حال ہے۔ان کا مزاج کیسا ہے۔'' (کتاب سلیم بن قیس)

اس روایت سے بھی یہی ثابت ہے کہ ان حضرات کے آپس میں بہت خوش گوار تعلقات تھے۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے چھ ماہ بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور چند روز بعد جو رمضان المبارک 11 ہجری میں منگل کی شب آپ کا انتقال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک 28 یا 29 سال تھی۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی براہِ راست آخری اولاد تھیں جن کا انتقال ہوا۔سیدہ کے بعد بلا واسطہ کوئی اولاد دنیا میں نہ رہی۔یہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آخری نشانی تھیں۔یہ بھی اللہ کے ہاں پہنچ گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کے انتقال پر مدینہ منورہ کے لوگوں کے غم کی انتہا نہ رہی۔صحابہ کرام اس لیے بھی حد درجے غمگین تھے کہ ان کے محبوب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بلا واسطہ اولاد کا سلسلہ بھی سیدہ کی وفات پر ختم ہو گیا تھا۔اب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نشانی ازواجِ مطہرات رہ گئی تھیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا کا انتقال مغرب اور عشا کے درمیانی وقت میں ہوا۔آپ نے وفات سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اسما بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا کو وصیت کی تھی کہ آپ کو وہ غسل دیں، چنانچہ حضرت اسما بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا نے

آپ کو غسل دیا۔ ان کے ساتھ غسل میں چند اور بیبیوں نے بھی شرکت کی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سارے کام کی نگرانی کرتے رہے۔

غسل اور کفن کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ کا مرحلہ پیش آیا۔ نمازِ جنازہ کے لیے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم جو اس وقت موجود تھے، سب تشریف لے آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آگے تشریف لا کر جنازہ پڑھائیں۔''

جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ خلیفۂ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ آپ کی موجودگی میں میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ نمازِ جنازہ پڑھانا آپ ہی کا حق ہے۔ آپ تشریف لائیں اور جنازہ پڑھائیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے تشریف لے آئے۔ آپ نے چار تکبیر کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی۔ باقی تمام حضرات نے ان کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ (طبقات ابن سعد 19/8)

نمازِ جنازہ کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت ہی جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ دفن کرنے کے لیے حضرت علی، حضرت عباس اور فضل بن عباس رضی اللہ عنھم قبر میں اترے۔ (الاصابہ)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جو اولاد ہوئی، ان کے نام یہ ہیں:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا محسن رضی اللہ عنہ (یہ تیسرے صاحبزادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ 15 رمضان 3 ہجری میں حضرت حسین شعبان 5 ہجری میں پیدا ہوئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو صاحب زادیاں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور امِ کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ بعض علماء نے ایک تیسری صاحب زادی رقیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

ان میں سے سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے 17 ہجری میں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ (نسب قریش صفحہ 25)

سیدہ فاطمہ کا حلیہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ملتا جلتا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لب ولہجہ، اٹھنا بیٹھنا بالکل حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرح، آپ بات چیت بھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرح کیا کرتی تھیں۔ آپ کی چال بھی رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جیسی تھی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سفر پر گئے۔ واپس لوٹے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قربانی کا گوشت پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی عذر بیان کیا۔ اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی اجازت دے دی ہے۔''

اس سے ظاہر ہو رہا ہے پہلے اس گوشت کی اجازت نہیں تھی۔ بعد میں اجازت ہو گئی تھی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبوب ترین اولاد تھیں۔

آپ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''فاطمہ! میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اسے ناراض کرے گا، وہ مجھے ناراض کرے گا۔''

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سونے کا ہار دیا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو معلوم ہوا تو فرمایا:

''کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا زیور پہنتی ہے۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً اس ہار کو بیچ کر اس رقم سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک روز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے استقبال کی نیت سے گھر کے دروازے پر پردے لگا دیے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے تو گھر کے اندر دنیاوی ساز و سامان دیکھ کر دروازے سے ہی واپس پلٹ گئے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضی کا حال معلوم ہوا تو پردے چاک کر دیے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حد درجے حیادار تھیں۔ ایک مرتبہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں بلوایا تو وہ شرم کی وجہ سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازے پر پردہ کرنے کی وصیت بھی اسی بنا پر کی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا، البتہ ان کے والد ان سے زیادہ صاف گو تھے۔''

سیدہ کو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بے تحاشہ محبت تھی۔ جب چھوٹی تھیں تو قریش

نے ایک مرتبہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کمر مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس وقت حالتِ نماز میں تھے۔ یہ گندی حرکت کرنے کے ساتھ ہی قریش ہنسنے لگے۔ ہنستے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرتے جاتے تھے۔ایسی حالت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کسی نے خبر دی۔ان کی عمر اگرچہ اس وقت پانچ چھ سال تھی، لیکن محبت کے جوش میں دوڑتی ہوئی آئیں اور اس بوجھ کو ہٹا کر قریش کو بددعائیں دینے لگیں۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بے تحاشہ محبت کرتے تھے۔سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملنے کے لیے تشریف لاتے۔واپس آتے تو سب سے پہلے انہی سے ملتے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ملنے کے لیے آتیں تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔انھیں اپنی جگہ بٹھاتے۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کبھی ناراضی ہو جاتی تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لاتے اور دونوں میں صلح کرا دیتے اور صلح کرا کر بہت خوش ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔آمین۔